لہٗ دعوۃ الحق

اے۔بی۔سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

فون نمبر دارالعلوم ۔ ۴ قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار فون نمبر رہائش ۔ ۲

جلد نمبر : ۱۵
شمارہ نمبر : ۸

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

رجب / شعبان ۱۴۰۰ھ
مئی ۱۹۸۰ء

مدیر ۔ سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک :- پاکستان میں سالانہ -/۲۵ روپے فی پرچہ ۲/۵۰ روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

★

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

حال ہی میں علمی و دینی حلقے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب قدس سرہٗ کے سانحۂ وفات کے ایک عظیم حادثہ سے دوچار ہوئے۔ جن کی ذات سے دینِ متین اور قرآنِ مبین کی وقیع خدمات کا سلسلہ جاری تھا۔ حق تعالیٰ نے انہیں بڑی نمایاں اور منفرد خصوصیات سے نوازا تھا۔ گو ان کا خاص میدان قرآنِ کریم کی نشر و اشاعت اور درس و تدریس رہا مگر وہ دیگر علومِ عقلیہ و نقلیہ میں بھی ماہرانہ دسترس رکھتے تھے۔ درسِ نظامی پر عالمانہ عبور رہا اور ان علمی ملکات کو انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر و تدریس میں ایسا استعمال کیا کہ آج ان شاء اللہ ان کا نام قرآن کے خاص خدّام میں محسوب ہوگا۔ زبانِ خلق پر بھی وہ شیخ القرآن کے منفرد لقب سے معروف ہوئے کہ شیخ الحدیث کا لقب اور منصب تو تاریخِ اسلام میں چلا آ رہا ہے۔ مگر وہ غالباً پہلے بزرگ ہیں جنہیں شیخ القرآن کے تمغۂ سعادت کے ساتھ شہرت ملی۔ قرآن کریم میں دین و دنیا کی تمام مشکلات اور لاینحل گتھیوں کو سلجھایا گیا ہے۔ معاشرت و تمدّن، تہذیب و سیاست، اخلاق و سیرت، قانون و دستور، احکام و اصول ہر پہلو سے جامع اور معجز کتاب ہے۔ مگر اس کے باوجود از اوّل تا آخر خداوند کریم نے اپنی کتاب کو توحید کے آہنی اور فولادی مباحث اور دلائل کی زنجیروں سے باندھ کر ایک وحدت اور اکائی کی شکل میں پیش فرما دیا ہے۔ حضرت مرحوم کی ساری تگ و دو شرح و بیان درس و تدریس وعظ و تقریر بھی توحید کے مربوط و مضبوط سلسلہ سے بندھی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اور ان کے معتقدین اور ہمنوا حضرات پر یہ رنگ اتنا گہرا اور پختہ ہوا کہ اور سارے رنگ معدوم ہو گئے۔ اور یہ لوگ عرفِ عام میں توحیدی کہلائے۔

اس جذبۂ توحید کی چھاپ مولانا مرحوم کی ساری زندگی پر حاوی رہی۔ اور اس میدان میں جب وہ اپنی قلندرانہ شان کے ساتھ پورے طمطراق اور جاہ و جلال سے اترتے تھے تو کبھی کبھی بیگانوں کے ساتھ معتدل مزاج اپنے بھی زد میں آجاتے تھے۔ اصحابِ ہویٰ و ہوس اربابِ شرک و بدع کے تعاقب اور مقابلہ میں وہ بلاشبہ مردِ جری اور صاحبِ عزیمت و استقامت سپاہی تھے اور وہ جب ڈنکے کی چوٹ توحید بیان کرتے تھے، تو مسلمان تو مسلمان واحد لاشریک لہٗ کے تکوینی غلام بھی وحدتِ باری تعالیٰ کے اس بیان و تشریح پر وجد کرتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ غیور ہیں اور مولانا

کی یہی ادا ان شاء اللہ ان کے لئے بارگاہِ ایزدی میں خلعت قرب و رضا سے سرفرازی کا ذریعہ بنے گی۔ جرأت و بے باکی، سخاوت و مہمان نوازی، دین کے اعلاء و اشاعت کے ہر ہر میدان میں جرأت مندانہ کردار اور آتشِ نمرود میں بے خطر کود پڑنے کا ابراہیمی جذبہ، پھر اس کے ساتھ گرد و پیش ماحول اور مجلس سے جلد متاثر ہو جانے والی سادہ دلی، مولانا کی یہ سب ادائیں ملت کو رلاتی رہیں گی۔ وہ ایک عظیم مکتبِ فکر کے محبوب تھے۔ ہزاروں تلامذہ کے استاد تھے اور استاد بھی ایسے کہ معلّم قرآن اور کئی دینی تعلیمی مراکز کے مؤسس و مدیر۔ اور ان سب خدمات اور فیوضات کی وجہ سے ان کی وفات وقت کا ایک عظیم سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ملتِ مسلمہ کو مولانا مرحوم کا نعم البدل عطا فرما دے اور ان کے اخلافِ صدق، تلامذہ، معتقدین اور مدارس کے ذریعہ ان کا فیض جاری و ساری رہے۔

اسلام آباد میں اسلامی وزراء خارجہ کا حالیہ اجلاس بھی ملتِ مسلمہ کے اتحاد و یکجہتی کی علامت بن کر مفید تبادلۂ خیالات اور مؤثر قرار دادوں کا ذریعہ بنا، اسلامی ممالک کے نمائندوں کو مل جل کر درپیش مسائل پر اظہارِ خیال کا موقع ملا۔ اصل مسئلہ تو عملی طور پر کچھ کرنے اور قرار دادوں سے بڑھ کر عملی اقدامات کا ہے۔ کاش! حق تعالیٰ امتِ مسلمہ کے ان زعماء کو عمل کی توفیق سے نوازے۔

پھر قرار دادوں کی شکل میں مسلمانوں کی یکجہتی پر مبنی احساسات اور عزائم کا اظہار بھی نہایت قابلِ تحسین اور خوشگوار مستقبل کی نشاندہی کرنے والی بات ہے۔

اس کانفرنس کی اہم قرار دادوں میں ایک قرار داد کے ذریعہ صدرِ پاکستان جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کو پورے عالمِ اسلام یعنی ایک ارب سے زائد مسلمانوں کا نمائندہ بنا کر اقوامِ عالم کی جنرل اسمبلی کے ۳۵ ویں اجلاس میں اسلام کی ابدی صداقتوں پر مشتمل پیغام پہنچانے کے لئے مامور کیا گیا ہے کہ وہ جا کر انہیں اسلام اور عالمِ اسلام کا پیغام پہنچا دیں۔ اس طرح صدیوں کے بعد شاید کسی ایک فرد میں بسیط ارض کے سارے مسلمانوں کے جذبات و احساسات مرتکز کر کے اسلام کے عالمگیر پیغامِ اتحاد کی عکاسی کی گئی ہے۔ عالمِ اسلام کے اتحاد، مرکزیت اور ایک نقطۂ جذب و انعکاس پر سب کا اتفاق یہ ایک ایسا خواب ہے جس کے لئے پچھلے سو ڈیڑھ سو سال سے ملت کے نابغۂ روزگار مفکرین و مصلحین نے زندگیاں نثار کر دی ہیں۔ تضامنِ عالم اسلام کے آخری عظیم منادی و مبلغ شاہ فیصل مرحوم بھی شاید اسی "جرم" کی بھینٹ چڑھ گئے۔ آج یہ فیصلہ ایک گونہ ان خوابوں کی تعبیر کا نقطۂ آغاز ہے کہ ملتِ مسلمہ کسی اہم ذمہ داری کے لئے کسی بھی ایک فرد پر جمع ہو سکتی ہے۔ اور ذمۃ المسلمین واحدۃ اور المسلمون کجسد واحد کا ظہور

کیا عجب کہ یہی وقت بدرجۂ اتم ہو جائے۔ جہاں اس عظیم اعزاز و اکرام کو ہم صدر پاکستان کیلئے اسلام کے ساتھ ان کے گہرے اور والہانہ تعلق اور ہر محاذ و میدان میں اسلام کی ترجمانی و تبلیغ کا خدائی صلہ سمجھتے ہیں وہاں اس لحاظ سے ان کے لئے اور ان کے واسطے سے پوری پاکستانی قوم کے لئے نمائندگی کا یہ اعزاز ایک عظیم ابتلاء و امتحان بھی سمجھتے ہیں۔ صدر پاکستان جب عالمی سٹیج پہ ایک مسلم ریاست اور مسلمان معاشرہ کے پاکیزہ خدوخال پر مبنی تصویر رکھیں گے۔ تو دنیا کی نگاہیں اس تصویر کی تعبیر کے لئے اولاً صدر محترم ہی کی ریاست کی طرف اٹھیں گی اور وہ اسلام کے سنہری اصول اور حسین نقوش کو پاکستانی معاشرہ میں تلاش کرنا چاہیں گے۔

صدر محترم اسلام کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتے ہوں گے۔ مگر ہماری دعا ہے کہ وہ عالمی سٹیج پہ اسلام کی نمائندگی سے قبل زیادہ سے زیادہ وہ تمام ممکن اسلامی اقدامات عملی طور پہ فرما سکیں انہیں رائج کر سکیں اور انہیں جاری و ساری کر سکیں کہ جن کی وجہ سے وہ نہایت جرأت اور شیریں صدر کے ساتھ اور سربلندی کے ساتھ اسلام کا پیغام پہنچا سکیں۔ اگر عملی انقلاب کی قوت ان کی پشت پر ہو گی تو ان کا ضمیر بھی بے خلش ہو کر اس عظیم ذمہ داری کو نبھا سکیں گے لیکن اگر بات صرف وعظ و تقریر اور پاکیزہ جذبات کے اظہار تک محدود رہے اور وہ اندرونی یا بیرونی رکاوٹوں اور مجبوریوں کی وجہ سے ایسے ہی بے بس ہیں جیسا کہ اب تک ہیں تو اس عظیم اعزاز و افتخار کے موقع سے انہیں اور نہ ملت مسلمہ کو کوئی خاطر خواہ نتیجہ پہنچ سکے گا۔ ولا فعل اللہ۔ ہماری دعا ہے کہ حق تعالیٰ اسلامی اقدامات کے سلسلہ میں صدر محترم کا حامی و ناصر ہو اور ان کو عملاً اتنا کچھ کر کے دکھانے کی توفیق نصیب ہو کہ جنرل اسمبلی میں وہ سر اونچا کر کے اقوام عالم کو دعوت اسلام دے سکیں۔ اس طرح ان کی سربلندی پوری ملت کی پوری پاکستانی قوم کی اور ہم سب نام لیوایان اسلام کی سربلندی ہو گی۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

انسان کی اصل زندگی

ارشادات حضرت شیخ الاسلام
مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ

خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا

انسانوں نے اس دنیا میں آکر یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ دنیا کی زندگی ہماری زندگی ہے۔ اور دن رات اپنی دنیاوی زندگی کو سنوارنے اور بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ اس دنیا میں کس کام کے لئے بھیجے گئے کس نے بھیجا اس سے بالکل غافل ہوگئے۔ انسان کی اس غفلت کی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا، کتابوں کو اتارا۔ اور بتلایا کہ یہ دنیا کی زندگی ہمیشہ کی زندگی نہیں بلکہ چند روزہ ہے اور امتحان کے واسطے تم لوگوں کو یہاں چند روز کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اسکی مثال اسطرح ہے کہ کسی یونیورسٹی کی تعلیم پانے کے بعد لڑکے امتحان کے واسطے بھیجے جاتے ہیں۔ اور وہاں وہ صرف امتحان دینے کے لئے جاتے ہیں۔ اور ٹھہرتے ہیں۔ پھر اپنے اپنے مقام پر واپس آجاتے ہیں۔ جو لڑکے ہوشیار ہوتے ہیں وہ اپنے امتحان کی تیاری اور محنت میں وقت گذارتے ہیں اور فضولیات میں اپنا وقت نہیں گنواتے، دنوں کو پڑھتے اور راتوں کو جاگتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔ جو لڑکے بے وقوف ہوتے ہیں وہ اپنا امتحان بھول کر وقت گنواتے اور بیکار مشغلوں میں لگ جاتے ہیں۔ سینما دیکھتے اور سیر و تفریح کرتے ہیں۔ جو لڑکے محنت کرکے کامیاب ہوتے ہیں۔ ان کو خود اور ان کے گھر والوں کو خوشی اور مسرت ہوتی ہے اور ترقی پاتے اور عزت کی زندگی گذارتے ہیں۔ جو لڑکے کھیل کود میں مشغول ہوکر ناکامیاب ہوتے ہیں وہ رنجیدہ اور شرمندہ ہوتے ہیں اور اپنے گھر والوں اور ہم جولیوں میں ندامت اٹھاتے ہیں اور بعض تو خودکشی تک کر ڈالتے ہیں۔

اصل زندگی | خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک میں تمام انسانوں کو بتلایا انما ھذہ الحیاۃ الدنیا لھو و لعب و ان الدار الاخرۃ لھی الحیوان۔ یہ دنیا کی زندگی تو بہت تھوڑے دن نفع اٹھانے کی ہے اور اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے مگر انسان اپنی بے وقوفی سے یہ نہیں سوچتا کہ میرا اصل ٹھکانا کہاں ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر وحی بھیجی اور بتلایا کہ یہ بڑی بے وقوفی ہے کہ تم نے دنیا کی زندگی کو اصلی قرار دے لیا ہے اور اگر اس غلطی سے متنبہ کیا جاتا ہے۔ تو اس پر عمل نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے محبت کی وجہ سے جو سارے انسانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور ہر بنانے والے کو اپنی بنائی ہوئی چیز سے محبت ہوتی ہے۔ بتلایا کہ وہ اس دنیا میں اپنا مقصد سمجھے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا اور سارے مخلوقات میں منتخب فرمایا۔ اپنا خلیفہ بنایا۔ اور وہ ہم پر اتنا مہربان ہے کہ انسان کے انجام اور کامیابی کیلئے ہدایت کا انتظام فرمایا۔ انبیاء کرام کو دنیا میں بھیجا اور قرآن پاک نازل فرمایا کہ انسان اس امتحان میں کامیاب ہو۔

نبلوکم بالشر والخیر فتنۃ والینا ترجعون۔ فرمایا کہ اے انسانو! ہم تمہاری آزمائش خیر سے بھی کریں گے اور شر سے بھی۔ تمہارا امتحان آرام دے کر بھی لیتے ہیں اور تکلیف دے کر بھی کسی کو اولاد دی گئی، کسی کو مال دیا گیا، کسی کو حکومت ملی اور کسی کو عزت اور دیکھا کہ ان نعمتوں کو پا کر تم اللہ کو یاد رکھتے ہو اور اسکی اطاعت کرتے ہو یا نہیں۔ اور کسی کو تکلیف میں مبتلا کر کے جانچا کہ اپنے پیدا کرنے والے کی تابعداری اور صبر و تحمل کے ساتھ تکلیف کو برداشت کرتا ہے یا نہیں۔

واما اذا ما ابتلاہ فقدر علیہ رزقہ۔ فرمایا کہ تم کو جب بھلائیاں دی جاتی ہیں، عزت دی جاتی ہے تو تم خدا کو بھول جاتے ہو اور سمجھتے ہو کہ میں عزت والا ہوں۔ اور میں نے دولت حاصل کی ہے۔ اور جب تکلیف پہنچتی ہے۔ تو خدا کی شکایت کرنے لگتے ہو۔ انسان پر اس دنیا میں آنے سے پہلے ایک عالم گذرا ہے جس کا اس کو احساس نہیں اور اس کا اندازہ اس طرح سے ہو سکتا ہے کہ آپ اس دنیا میں بھی ایک ایسے عالم سے گذرے ہیں کہ اس وقت کی باتیں اگر والدین یاد دلاتے ہیں تو کوئی احساس نہیں ہوتا کہ ہم ایسے عالم سے گذرے ہیں کہ عالم ارواح میں بھی خداوند تعالیٰ کیطرف سے ہمیں تعلیم دی گئی اور بتلایا گیا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور ہم نے اسکو تسلیم کیا۔ اور کچھ روحیں عالم ارواح میں اب بھی موجود ہیں وہ سب کی سب خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا، تسبیح و تقدیس میں اسی طرح سے لگی ہوتی ہیں جسطرح سے انسان سانس لینے میں مشغول رہتا ہے۔ مگر جب اس امتحان گاہ میں بھیجا جاتا ہے تو اپنا سبق ہم بھول جاتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کل قیامت کے دن یہ نہ کہنا کہ ہمیں کچھ خبر نہ تھی۔ انا کنا عن ھذا غافلین۔ جسطرح کہ لڑکا فیل ہونے پر اپنے ماسٹروں پر الزام لگاتا ہے کہ ہمیں تو کچھ پڑھایا ہی نہیں خداوند تعالیٰ نے ہمیں قرآن پاک میں وہی تعلیم یاد دلائی ہے۔ تاکہ کل قیامت میں ہم جھٹلا نہ سکیں۔ اللہ کے بندوں نے، رشیوں نے، نبیوں نے اور خصوصاً ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو بیدار کیا اور فرمایا کہ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔

" ولنبلونکم بشئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات۔ "

اس دنیا میں برابر امتحان لیا جاتا ہے۔ ہر شخص خواہ امیر ہو یا غریب ایک حال میں نہیں رہتا۔ یہ دنیاوی زندگی امتحان کی زندگی ہے۔ پیغمبروں کے بتلائے ہوئے اصول اور طریقہ پر چل کر ہی انسان کامیاب ہو سکتا ہے۔ اور صبر و استقلال کی ضرورت ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں صبر کی جا بجا تاکید فرمائی گئی ہے۔ نماز کا، روزہ کا، زکوٰۃ کا،

اور حج کا اتنا مکرر ذکر نہیں آتا۔ جتنا کہ صبر کا۔ اور صبر ہی سے تمام عبادات مکمل ہوتی ہیں۔ ہر چیز کے اندر مشقت شرط ہے اور صبر اسی چیز کا نام ہے۔ مصیبتوں کو جھیلو اور صبر کے ساتھ شریعت پر چلنے کی کوشش کرو۔ اگر صبر نہیں کر سکتے تو دنیا کی مصیبتیں بھی دور نہیں ہو سکتیں۔

حضرت محمد مصطفیٰؐ جو اللہ کے بندوں کے سچے اور حقیقی خیر خواہ ہیں۔ انہوں نے ہمیں صبر کی تلقین فرمائی اور سب کے ساتھ میل جول رکھنے کی تاکید فرمائی اور پوری پوری اتباع کا حکم پہنچایا۔ یاایھاالذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ۔

عملی زندگی | آنحضرتؐ نامدار مکہ میں تیرہ برس لوگوں کو سمجھاتے رہے۔ اور حق کی دعوت دی، مگر لوگوں نے اس کے بدلہ میں دشمنی کی۔ اور دشمنی بھی اس قدر سخت کہ آپ کو مجبور ہو کر اپنے وطن اور عزیز و اقارب کو چھوڑ کر مدینہ منورہ آکر ٹھہرنا پڑا۔ تیرہ برس میں عدم تشدد کی پالیسی کے ساتھ آپ نے اور آپ کے اوپر جو لوگ ایمان لے آئے تھے انہوں نے صبر و بردباری سے اس دشمنی کا جواب دیا۔ مدینہ آکر بھی تقریباً ڈیڑھ سال یہی پالیسی رہی۔ مگر جب دیکھا کہ دوسری طرف حملہ کی تیاریاں ہو رہی ہیں تو مقابلہ اور دفاع کرنے پر آپ مجبور ہوئے۔ اور اس وقت بھی آپ نے انتہائی شفقت اور رحم کرنے کے احکام دیئے۔ حالانکہ آپ سب سے زیادہ بہادر تھے۔ حضرت علیؓ جن کی شجاعت کے نغمے آج تک مشہور ہیں۔ فرماتے ہیں کہ :-

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ بہادر تھے، لڑائی کے میدان میں آپ سب سے آگے رہتے تھے اور جب سخت وقت آتا تھا تو ہم لوگ آپ کے پیچھے آکر پناہ لیتے تھے۔ اس کے باوجود تمام عمر میں آپ کے دست مبارک سے صرف ایک شخص آپ کی تلوار سے قتل ہوا۔ اور لڑائیوں میں آپ جواب دیتے تھے۔ مگر یہ طریقہ رہتا کہ دشمن ہلاک نہ ہو۔ کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین تھے۔ آنحضرتؐ نامدار صلح اور محبت کا پیغام لے کر تشریف لائے تھے آپ نے جنگ کے موقع پر بھی حکم دیا کہ کسی عورت کو کسی بڈھے کو، یا کسی بچہ کو یا کسی مذہب کے بزرگ کو نہ مارا جائے۔"

بھلائی اور خدمت کا جذبہ | مگر افسوس کہ آج ہم اس تعلیم کو بھلا بیٹھے۔ آج بھائی بھائی کا دشمن ہے۔ یہ ملک ہندوستان ہمارا وطن ہے۔ اگر اس ملک میں بدامنی ہوگی تو دکھ پڑیں گے اور مصیبتیں آئیں گی تو سب پر آئیں گی۔ اس لئے ملک کی بھلائی اور خدمت کا جذبہ سب کو رکھنا ضروری ہے۔ تاکہ سب کو امن اور اطمینان نصیب ہو۔ ہمیں ان اصولوں کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ "وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھوناً واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً۔" رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے بلکہ سر نیچا کر کے چلتے ہیں اور جب نادان لوگ ان سے الجھتے ہیں تو سلام کر کے چلے جاتے ہیں۔

میرے بھائیو! ملکوں میں اور قصبوں میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ اگر ان میں ہم ان اصولوں سے کام لیں۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیں تو بڑے سے بڑا دشمن بھی دوست بن جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ :

" ادفع بالحسنة السيئة۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے دو۔"

مگر یہ کام وہی کر سکتا ہے جو صبر کرنے والا ہو۔

صبر کی اہمیت | صبر پھولوں کی سیج پر نہیں ہوتا بلکہ ببول کے کانٹوں پر۔ ہمارے بزرگوں کا یہی اصول تھا اپنوں ہی سے نہیں بلکہ سارے انسانوں کے ساتھ۔

آقائے نامدار جب اس دنیا سے تشریف لے گئے تو مسلمانوں کی مردم شماری صرف چار لاکھ تھی۔ مگر آج مسلمانوں کی تعداد چالیس کروڑ بتلائی جاتی ہے۔ یہ تعداد جبر و تشدد سے نہیں بڑھی بلکہ اسلام کی تو یہ تعلیم ہی نہیں کہ کسی کو جبر اور سختی سے مسلمان بنایا جائے۔ ہمارے اسلاف نے اپنے اعمال صالحہ اور اخلاق سے لوگوں کو اسلام کا گرویدہ بنایا اپنوں اور غیروں سب کے ساتھ میل جول کی ضرورت ہے۔ مگر میل جول میں اپنے معتقد ہستی ہی کو خیر باد نہ کہہ دیا جائے۔ شیطان کے دھوکہ میں مت آؤ۔

شیطان تو انسان کا دشمن ہے۔ اس نے تو قسم کھا رکھی ہے کہ انسان کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دوں گا۔ یہ خیال کرو کہ اگر ہم نے جواب نہ دیا تو ذلیل ہو جائیں گے، گھونسے کا جواب لاٹھی سے اور گالی کا جواب پتھر سے دیں یہ شیطان کا اتباع ہے۔

حضورؐ نے فرمایا کہ جو انسان دوسرے انسانوں کی خطاؤں کو معاف کرتا ہے اس سے اسکی عزت بڑھتی ہے۔ مگر آپ تو اپنوں کو بھی معاف نہیں کرتے۔ غیروں کو کیا معاف کریں گے۔

یاایھاالناس انا خلقنکم من ذکر و انثٰی وجعلنٰکم۔

اے انسانو! تم کہیں کے بھی رہنے والے ہو، کسی نسل کے ہو تم کو ایک ماں باپ سے پیدا کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے بھائی ہو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا اور مقبول ہے، چاہے چمار اور بھنگی ہو۔ اور اگر بادشاہ کا لڑکا ہو مگر شریعت کی تابعداری نہ کرتا ہو اللہ کا خوف نہ رکھتا ہو وہ اللہ کے یہاں عزت والا نہیں ہے۔

جنت اور دوزخ | حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب جنت کو بنایا تو فرشتوں کو دیکھنے کے لئے بھیجا اور دریافت فرمایا کہ جنت کیسی جگہ ہے تو فرشتوں نے جواب دیا کہ یہ تو ایسی جگہ ہے جہاں ہر شخص آنا چاہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو دیکھنے کا حکم دیا اور دریافت فرمایا کہ دوزخ کیسی جگہ ہے۔ تو فرشتوں نے جواب دیا کہ وہاں کوئی شخص بھی جانا نہ چاہے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جنت کے گرد جبر اور

سختیوں کی باڑھ لگائی اور دوزخ کے گرد خواہشات اور لذّتوں کی باڑھ لگائی اور دریافت کیا کہ اب لوگ کہاں جانا چاہیں گے تو فرشتوں نے عرض کیا کہ اب تو کوئی شخص بھی جنّت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اور دوزخ سے کوئی نہ بچ سکے گا۔

بھائیو! یہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے کہ ہم خداوند تعالیٰ کے حکم پر چلتے ہیں یا شیطان کے۔ خداوند تعالےٰ بغاوت اور برائی اور بے حیائی سے روکتا ہے۔ اگرچہ تمہارے نفس اور تمہاری خواہشات کے خلاف ہو جس قدر بھی ہو سکے شریعت کی اتباع اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرو۔ تمہارے بزرگوں نے دنیا میں ان ہی اعمال سے عزّت حاصل کی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر تم ایمان والے بنو اور بُرے کام چھوڑ دو تو تمہیں دنیا کا بادشاہ بنا دیں گے۔ اس دین کو دنیا میں پھیلانے کی طاقت عطا فرمائیں گے۔ اور تمہارے دلوں سے ڈر اور خوف نکال دیں گے۔

آج طرح طرح کی مصیبتیں ہمارے اوپر مسلّط ہیں۔ بیماریاں بڑھتی جا رہی ہیں اور گرانی اپنی حد سے زیادہ ہے بھائیو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ اپنے مشاغل میں بھی اس کے ذکر سے غافل نہ رہو تاکہ وہ ہم پہ مہربان ہو ورنہ ساری دنیا کی طاقتیں بھی مل کر ان مصیبتوں کو دور نہیں کر سکتیں۔ اسکی رضا اور خوشنودی دنیا اور آخرت میں کام آسکتی ہے۔ اسی کی فرمانبرداری اور یاد میں ہمیں زندگی گذارنی چاہیئے تاکہ دنیا میں بھی ہمیں امن اور سکون نصیب ہو اور آخرت میں بھی جو اصل زندگی ہے۔ ہم کامیاب ہوں۔ آمین۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

جناب مولانا محمد شمیم صاحب مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ

علامہ رحمت اللہ کیرانوی

کی یاد میں

مذاکرۂ علمیہ

——— صد سالہ تقریبات کا خطبۂ افتتاحیہ ———

دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے بعد ۱۲ اپریل کو دہلی میں جنگ آزادی کے عظیم مجاہد ردّ مسیحیت کے جلیل القدر سپاہی اور عیسائی مشنریوں کے ممتاز فاتح اور مناظر مکہ مکرمہ کے اہم مرکز علوم مدرسہ صولتیہ کے بانی حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی ؒ (بانیٔ حرمین) کی علمی و دینی خدمات کی یاد میں یک روزہ سیمینار منعقد ہوا جسکی دو نشستوں میں اسلامیان ہند کی نمائندگی کرنے والے اہم اکابر نے مولانا مرحوم کو مختلف عنوانات سے خراجِ عقیدت پیش کیا۔ علامہ قاری محمد طیب مدظلہٗ مولانا محمد اسعد مدنی، مفتی عتیق الرحمان عثمانی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی مولانا حامد الانصاری غازی، خواجہ حسن نظامی، مولانا محمد یوسف امیر جماعت اسلامی اور ایسے کئی اعیان و افاضل موجود تھے۔ اس تقریب کے منتظم مشہور مبلغ و مناظر مولانا شرف الحق صابری ؒ کے فرزند مولانا امداد صابری تھے۔ اور مہمانِ خصوصی بلکہ رونق محفل و شمع بزم ہمارے مخلص محترم دوست اور حضرت کیرانوی قدس سرہٗ کے حفید رشید مولانا محمد شمیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ تھے جو ان تقریبات کے لئے حجاز سے تشریف لائے تھے اور مہمانِ خصوصی سے بڑھ کر میزبان بھی تھے۔ چند ماہ قبل اس ناچیز کو بھی اس میں شمولیت کا دعوت نامہ ملا تھا، مگر شرکت کا تو خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ اتنے میں اجلاس صد سالہ دیوبند کی برکات سے اس میں حاضری کا بھی حسنِ اتفاق میسّر آیا۔ پہلی نشست میں آخر تک رہا، دوسری نشست میں اس ناچیز کی تقریر کا بھی مولانا محمد شمیم نے اعلان کیا مگر دوسرے دن علی الصباح سفرِ ہند سے مراجعت کی تیاری میں مصروفیت کی وجہ سے تعمیل حکم نہ کر سکا جسکی معذرت بھی آج متعلقہ حضرات سے ان سطور کے ذریعہ ہی کر رہا ہوں۔ حضرت علامہ رحمت اللہ کیرانوی بھی بقول مولانا قاری محمد طیّب مدظلہٗ ان اکابر میں سے تھے جنہوں نے تیرھویں صدی میں چودھویں صدی کیلئے دین کے تحفظ اعلاء و اشاعت حق کا انتظام کیا۔ ردّ مسیحیّت تعلیم دین کے تحفظ و ترویج اور ایسے کئی امور میں حضرت مولانا محمد قاسم ؒ اور ان کے درمیان ایسی یکسانیت اور مماثلت پائی جاتی ہے کہ گویا دونوں ایک مٹی سے بنے ہوں۔ مولانا کی تصانیف (جنکی نمائش کا بھی اس موقع پر انتظام تھا۔ ازالۂ اوہام، ازالۃ الشکوک، اظہار الحق اور اعجاز عیسوی وغیرہ عجیب و غریب علمی خزانے ہیں ہم جیسے پسماندۂ علم و عمل لوگ چودھویں صدی کو الوداع کہتے ہوئے پندرھویں صدی کا انتظام تو کیا کر سکیں گے! یہ بھی غنیمت ہوگا کہ ایسے اکابر علم و فضل کے علمی، عملی کارناموں کا تعارف پندرھویں صدی کو منتقل کیا جا سکے۔ اور اس لحاظ سے ایسے یادگار سیمینار بے حد ضروری ہیں۔ اس موقع پر مہمانِ خصوصی برادر مکرم مولانا محمد شمیم کا خطبۂ افتتاحیہ نذر قارئین ہے ——— (سمیع الحق)

تاریخ اسلام کی پر نور شاہراہ پر بزرگان دین اور اکابر ملت کا جو مقدس قافلہ روز اوّل سے گامزن ہے۔ الحمد للہ ان کے وجود گرامی اور ان کے فیض سے ہر جگہ رشد وہدایت کے چراغ جگمگا رہے ہیں۔ جانے والے چلے گئے۔ مگر اپنے بعد اپنے کارناموں اور قربانیوں کے ایسے پائندہ آثار ونقوش چھوڑ گئے جو الحمد للہ پوری امت کے لئے باعث خیر وبرکت اور آنے والی نسلوں کے لئے مشعل نور وہدایت ثابت ہو رہے ہیں۔ اور ہر جگہ ان کے فیوض وبرکات سے ایمان کے احیاء امت کی بقاء اور اسلام کی تقویت کے نقشے وجود میں آرہے ہیں وقت گزرنے کے ساتھ دلوں میں احساس وشعور کی مشعلیں فروزاں ہو رہی ہیں۔ قلوب میں ایمان تازہ ہو رہا ہے۔ اپنے عظیم بزرگوں سے روحانی وتاریخی تعلق مستحکم ہو رہا ہے۔ رحمت خداوندی نے اپنے دین متین کی حفاظت کیلئے نفوس قدسیہ کا انتخاب کیا۔ رحمۃ للعالمین کی نیابت کا فخر ان کو حاصل ہوا۔ اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں میں جب تک اپنی تاریخ اور اپنے عظیم بزرگوں کے کارناموں کے احیاء کا جذبہ باقی ہے۔ انشاء اللہ امت کی بقاء اور پھلنے پھولنے کا امکان بھی باقی ہے۔

ایک وہ وقت تھا جبکہ اسی دہلی کی سرزمین پر مسلمانوں کے اقتدار کا آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ سامنے لال قلعہ جو صدیوں تک ہماری عظمتوں کا امین رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کے پتھروں کی سرخی اس کی اپنی سرخی نہیں رہی۔ بلکہ ہمارے بزرگوں اور اہل وطن کے خون کی سرخی اس کے پتھروں میں منتقل ہو گئی ہے۔ لال قلعہ اسم بامسمیٰ بنکر تباہی وبربادی کے المیہ میں شریک حال ہونے کو سرخ ہو گیا ہے۔ کمپنی بہادر کے فرزند سوداگری کا لبادہ اتار کر سیاہ وسفید کا مالک بن کر اہل ہند کی قسمتوں کا فیصلہ کر رہے تھے۔ یہی جمنا ہے جس کے کنارے ہمارے بزرگوں علماء مشائخ اور عام مسلمانوں کو تختہ دار پر لٹکایا جا رہا تھا۔ اور ان کا خون جمنا کی ریت اور جمنا کے پانی میں مل کر ایسی روشنائی بن رہا تھا۔ جس سے لکھی جانے والی تاریخ مستقبل میں حقیقی عظمتوں کا ترجمان، ایمان کی سربلندیوں کی امین اور تاریخ کے اعتبار سے ہمہ گیر اہمیتوں کی حامل ہوگی اور مسلمانوں کو رہتی دنیا تک انقلاب اور اسلام کے لئے جان دینے کی دعوت دیتی رہے گی۔

۱۸۵۷ء میں فرنگی کا جاہ وجلال اپنے عروج میں تھا۔ اس کے سر پر اسلام اور مسلمانوں سے نسبت رکھنے والے ہر وجود کو ختم کرنے کا بھوت سوار تھا۔ اپنی حکومت کے استحکام کے لئے بڑے سے بڑے خوفناک اقدام کے لئے وہ تیار تھا۔ بابر کی فتوحات ہمایوں کی طالع آزمائیاں، اکبر کی ہمہ گیریاں، جہانگیر کی عدل آرائیاں۔ شاہجہان کی شاہ جہانیاں اور عالمگیر کی عظمت وجلال فرمائیاں۔ عالم اقتدار سے اپنی بساط زندگی کو سمیٹ کر تاریخ کے صفحات میں پناہ لے رہی تھیں۔ بساط الٹ چکی تھی۔ نیا حاکم اپنی حکومتی طاقت واقتدار کے ساتھ اپنے مذہب کی اشاعت اور اسکو مغلوب ملک اور قوم پر مسلط کرنے کے لئے ہر سنگین اقدام کے لئے

تیار تھا۔ اقتدار اور حکومت کی لائن سے اس کا مقابلہ چونکہ مسلمانوں سے تھا اور ہمارے حساس اور جانباز علماء
اور امراء و حکام روز اول ہی سے خطرہ کی بو سونگھ کر سینہ سپر ہو گئے تھے۔ جگہ جگہ تیغ و سناں کے میدان کارزار
گرم تھے۔ حکومتی اقتدار و تسلط کے ساتھ برطانیہ سے عیسائی مشنری اور مذہبی جماعتوں کی بہت بڑی تعداد
اس تیاری اور عزم کے ساتھ یہاں لائی گئی تھی کہ حکومتی تسلط کے شانہ بشانہ تبلیغ عیسائیت کا کام بھی زور و
شور کے ساتھ جاری رہے اور ایک مغلوب قوم اور ملک کو اس کے اقتدار سے محروم کرنے کے ساتھ ساتھ
اس کے دین و مذہب پر بھی ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ عیسائی مذہب و ملت اور نصرانی تسلط کے
سامنے کوئی بھی دوسرا مذہب یا عقیدہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ یہ خطرناک صورت حال ہمیں انقلاب ۱۸۵۷ء کے تذکروں
تصانیف اور حالات میں شرح و بسط کے ساتھ ملتی ہے۔ اور ہماری برصغیر کی ایک سو سالہ تاریخ کا بھی سنگ
بنیاد اور خشت اول ہے۔ اجنبی غاصب اور فرنگی حاکم کی پشت پناہی کے بل بوتے پر عیسائی مبلغین کی چیرہ دستیوں
اور شورشوں کا سلسلہ گرم اور دراز ہوتا جا رہا تھا۔ انکی جماعتیں مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رہنے
دیتیں۔ حساس ذہن رکھنے والے مسلمانوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ مگر حالات کے سامنے لاچار و بے بس تھے۔
اور علماء کے پاس رد عیسائیت اور پادریوں سے دلائل و براہین کے میدان میں دو دو ہاتھ کرنے کے لئے
علمی و تحقیقی سرمایہ نہ تھا۔

اس مضمون کے ذریعہ مجھے حالات کا جائزہ لینا نہیں بلکہ اس دور کے جلیل القدر اور عظیم المرتبت
علمائے دین اور مجاہدین عظام کی قابل احترام بابرکت فہرست میں جس شخصیت کا نام سرفہرست ہے۔ اور
اس پوری صدی کے تمام تاریخی مواد میں ہر جگہ نہایت اہمیت و عظمت اور اعتراف حقیقت کے ساتھ ان کا نام
لیا جاتا رہا ہے۔ اور جن کو عیسائیت کیساتھ علمی و تحقیقی جنگ میں سب اہل علم اور ارباب تصنیف و تالیف
اور جماعت علماء نے امام المناظرین اور فاتح نصرانیت تسلیم کیا ہے۔ وہ حضرت اقدس مولانا محمد رحمت اللہ صاحب
کیرانوی ؒ کی ذات گرامی ہے، جو اس خطرناک زمانہ میں عیسائی مشنریوں کے سر پر شمشیر بن کر چمکی۔ اسلام کے
تحفظ کی خاطر فرنگیوں کے مقابلہ میں سینہ سپر رہی۔ ابطال تثلیث اور نصرانیت کی سرکوبی کے لئے تقریباً
دس ضخیم و بے مثال کتابیں اردو، فارسی، عربی میں تصنیف کیں۔ رب العزت کی تائید و نصرت کے زیر سایہ
ایمانی عزم و ہمت کیساتھ اکبر آباد (آگرہ) میں عیسائیت کے سب سے بڑے علمبردار اور پورے ہندوستان
میں مسیحی جماعتوں اور مشن کے سربراہ اور فتنہ مجسم پادری فنڈر اور اسکی جماعت سے مناظرہ کے میدان میں
مقابلہ کر کے اور اسکو اور اسکی جماعتوں کو شکست فاش دی کہ تیسرے دن مناظرہ کی فیصلہ کن مجلس میں حاضر ہونے
کی بجائے گزشتہ دو روز کی ہزیمت و مغلوبیت کے شب کی تاریکی میں فرار ہونے اپنی عزت بچانے ہی

میں خیر سمجھی جس کے بعد اجتماعی طور پر علی الاعلان پادریوں کو مسلمان علماء کے سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی چنانچہ مناظرہ کے بعد عام مسلمانوں اور علمائے کرام میں بھی اپنے دین کا دفاع کا تصور بیدار ہوا۔ جگہ جگہ جہادی تنظیمیں اور دینی لائن سے دفاعی صورتِ حال وجود میں آنا شروع ہو گئیں۔ علمائے اسلام نے عیسائی لٹریچر کا مطالعہ شروع کیا۔ اس وقت پورے ہندوستان میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب ہی کی ذاتِ گرامی تھی جو مرجع تھی۔

اس مضمون کے ذریعہ حضرت مولانا رحمت اللہ کی عظیم شخصیت کے مختلف پہلوؤں اور انفرادی حیثیتوں سے موجودہ دور کے مسلمانوں اور نوجوانوں کو متعارف کرانا ہے۔ تمام بزرگانِ دین کے حالات میں جو خاص چیز قدرِ مشترک ہے، وہ ان کا خلوص، للہیت اور زہد فی الدنیا اور اپنے دین کی بقاء احیا کے لئے فنائیت ہے۔ اکابرامت اور بزرگانِ دین میں اس قدرِ مشترک کے علاوہ ہر ایک کا اپنا علیحدہ مقام رہا ہے۔ اس زمانہ کے حالات و واقعات اور ضرورت کے مطابق مشیتِ الٰہی نے اس کے لئے جو راہ متعین فرما دی۔ اس میں وہ اپنی جگہ چاند اور سورج بن کر چمکا اور ان کا فیض جاری و ساری رہا۔

اس قاعدہ کلیہ کو سامنے رکھتے ہوئے زیرِ بحث و تعارف ہستی حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کی شخصیت کو اگر دیکھا جائے تو ہمیں متعدد پہلو نظر آئیں گے کہ رب العزت نے ان کو بیک وقت پوری زندگی میں کن کن خدمات اور مقاصد کے لئے قبول فرمایا اور انہوں نے باری تعالیٰ کی تائید و توفیق کیساتھ اسلام کی سربلندی، مسلمانوں کی فلاح و بہبود، دینِ متین کی خدمت، علومِ محمدیہ کی اشاعت، جہاد فی سبیل اللہ اور توحید و رسالت کی حفاظت و پاسبانی اور عقائدِ اسلام کے احیاء کے لئے کیا کارہائے نمایاں انجام دئے۔ یہ مختصر مضمون انہیں پہلوؤں کا تعارف ہے مفصل تاریخی تذکرہ نہیں۔

علمائے ہند کی درخشاں تاریخ اور نورانی فہرست میں اپنی اپنی خصوصیات کے ساتھ اپنے اپنے میدانِ عمل و خدمت میں نامور و عظیم علماء کے تذکروں اور وجود سے کہکشانِ عظمت کی شاہراہ جگمگا رہی ہے۔ مگر رحمتِ باری کی جانب سے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کو جو مایہ الامتیاز انفرادیت عطا ہوئی اور ان کی شخصیت اور ہستی میں جو خصوصیات اور متعدد پہلو قدرت نے ودیعت فرمائے وہ ان کو یکتائے زمانہ کہلانے کیلئے کافی ہیں۔

۱۔ انقلاب ۱۸۵۷ء میں اسلام کے تحفظ و بقاء دینِ محمدی کے دفاع کے میدان میں ان کی خدمات کا اجمالی تذکرہ آچکا ہے کہ کسطرح اللہ تعالیٰ نے میدانِ مناظرہ میں آپ سے مسیحی جماعتوں کی شکست و ہزیمت کا کام لیا جس کے بعد ۲۔ صرف مولانا ہی ہیں جو ترکِ وطن پر مجبور ہوئے۔ نام بدل کر دو سال تک صحراؤں اور جنگلوں میں گزار کر ۶ ماہ کا بحری سفر طے کر کے ربِ کعبہ کی پناہ میں مکہ معظمہ پہنچے۔ مکہ معظمہ پہنچنا تھا کہ رحمتِ خداوندی

کے دروازے کھلے اور آپ کے لئے خدمتِ دین کے ایسے اسباب پیدا ہوئے۔ جو سراسر اعزاز و تکریم کی لائن سے تھے۔ ۳؎ مکہ معظمہ کے شیخ الاسلام اور شیخ العلماء کی جانب سے صحنِ حرم میں درس و تدریس کا جو اعزاز بخشا گیا وہ بحیثیت ایک ہندی عالم کے سب سے پہلے آپ کے لئے تھا۔ ۴؎ ہندوستان میں انگریزی حکومت کے مظالم کی خبریں ترکی پہنچیں اور حکومتِ برطانیہ نے پادری فنڈر کو ترکی میں دینِ مسیحی کی تبلیغی خدمت پر مامور کرکے بھیجا۔ پادری فنڈر نے ترکی میں جو زہر افشانیاں شروع کیں اور مسلمانِ ہند کے خلاف غلط افواہیں پھیلائیں، تو سلطان عبدالعزیز بے قرار ہوگئے اور فوراً گورنر مکہ اور شیخ حرم کے ذریعہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کو بحیثیت سرکاری مہمان ترکی طلب فرمایا۔ آپ کے ترکی پہنچتے ہی پادری فنڈر نے بھی نہایت خاموشی کے ساتھ راہِ فرار اختیار کی۔ جس سے از خود سلطانِ معظم کو حالات کا اندازہ ہوگیا۔ سلطان نے کمال التفات و مراحم خسروانہ سے حضرت مولانا کا اعزاز و اکرام فرمایا۔ چھ ماہ تک شاہی مہمان صرف اس لئے رکھا کہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان مختلف فیہ مسائل پر ایک جامع کتاب تصنیف فرمائیں اور ترکی میں عیسائی مشنریوں کے زہریلے پروپیگنڈے اور پادریوں کی منہ شگافیوں اور ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی روک تھام میں رہنمائی و تعاون کریں۔

چنانچہ حضرت مولانا نے ترکی کے ششماہی قیام میں اپنی بے مثال کتاب اظہار الحق تصنیف فرمائی۔ دقتِ فکر اور استحضارِ علم کی یہ نادر مثال ہے کہ پانچ ماہ کے اندر حضرت مولانا نے ردِ عیسائیت میں اس قدر عظیم کتاب تالیف فرمائی۔ جس کا جواب آج تک مسیحی دنیا نہ دے سکی اور جو اثباتِ توحید و رسالت میں سنگِ میل کا حکم رکھتی ہے۔ اور بلادِ اسلامیہ عربیہ میں اس سو سال کے عرصہ میں تمام علماء اور اہلِ فکر کا مستند ماخذ و مرجع رہی ہے۔ اظہار الحق کے انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، ترکی اور اردو زبانوں میں تراجم ہوئے۔ اردو میں اس کا تازہ ترین ترجمہ "بائبل سے قرآن تک" کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں دس سال قبل حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ بانی دار العلوم کراچی کی زیرِ سرپرستی مولانا اکبر علی صاحب مرحوم اور فاضلِ جلیل مولانا محمد تقی صاحب عثمانی نے کیا۔ یہ ترجمہ قادیانیت اور عیسائیت کے مقابلہ میں کام کرنے والوں کے لئے ایک مستند ہتھیار ہے۔ جسکو رب العزت نے بے حد مقبولیت عطا فرمائی۔

موجودہ زمانہ میں اللہ تعالیٰ ہمارے علمائے کرام اہلِ مدارس اور رجالِ فکر و قلم کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور ان کی عمر و عزائم میں برکت عطا کرے کہ ایک صدی گذرنے کے بعد وہ اسلام کے دفاع، عقیدہ کے تحفظ اور رسالت و نبوت کے پاکیزہ پیغام کی نشر و اشاعت کے لئے اظہار الحق کو ہی بنیادی ماخذ و مرجع تسلیم کر رہے ہیں۔ بلادِ عربیہ کی مختلف یونیورسٹیوں اور کالجوں میں تقابلِ ادیان اصول الدین اور شریعتِ اسلامیہ سے متعلق مضامین

میں اظہار الحق کا مطالعہ لازمی قرار دیدیا گیا ہے۔ ریاض میں جامعۃ الامام محمد ابن سعود الکبیر میں ایک فاضل مصری پروفیسر علامہ ڈاکٹر احمد حجازی پانچ ہزار ریال ماہانہ مشاہرہ پہ اظہار الحق کا درس دے رہے ہیں اور یہ بے مثال کتاب داخل نصاب ہے۔

چند سال قبل حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند حج کے لئے مکہ معظمہ تشریف لائے۔ مولانا کا علمی و تحقیقی مقام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ مولانا مرحوم نے متعدد بار حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کے علمی مقام اور تصانیف کے متعلق گفتگو فرماتے ہوئے حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے یہ ملفوظات نقل فرمائے کہ توحید و رسالت کو جس بالغ نظری اور دقت نظر کے ساتھ مولانا رحمت اللہ صاحب ثابت کر گئے ہیں اور اس سے متعلق جس قدر وہ جمع کر گئے ہیں۔ وہ لایأتی الزمان بمثلہ کا مصداق ہیں۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ قادیانیت کے مقابلہ میں جب علامہ کشمیری میدان میں آئے تو آپ کے مطالعہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کی تصانیف اظہار الحق، ازالۃ الاوہام، ازالۃ الشکوک اور اعجاز عیسوی کثرت سے رہا کرتی تھیں۔ ان کتابوں کا مطالعہ بہت اہتمام سے فرماتے اور حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کے لئے دعائے خیر ان الفاظ میں فرماتے کہ "اللہ مولوی رحمت اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ ان کی کتابیں عقائد اسلامیہ کے تحفظ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ خدانخواستہ وقت پڑنے پر ہمارے علماء کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

غلام احمد قادیانی کے بعض افترات کے جواب میں ایک دفعہ نہایت جوش کے ساتھ والہانہ انداز میں فرمایا کہ "مجھے تو یقین ہو چلا ہے کہ مولوی رحمت اللہ کی کتابیں الہامی ہیں۔

مولانا ادریس صاحب نے مزید فرمایا کہ ردِّ عیسائیت کے موضوع پر سب سے پہلے علامہ ابن تیمیہ نے ابتداء کی مگر ۱۸۵۵ء تک ان کی تصانیف کم از کم برصغیر میں غیر معروف اور غیر مطبوعہ تھیں۔ ہند کے کتب خانے ان سے یکسر خالی تھے۔ اور اب بھی ان کا کوئی خاص تعارف نہیں۔ اس موضوع پر حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے اپنی تحقیق اور محنت سے جو مواد فراہم کیا اور ضخیم کتب اور متعدد رسائل تصنیف فرمائے۔ بلا مبالغہ وہ اس میدان میں دوسرے ابن تیمیہ ہیں۔

اس وقت متعدد دینی و تبلیغی و اشاعتی اداروں کی طرف سے اظہار الحق پہ کام ہو رہا ہے اور اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ضرورت ہے کہ پاک و ہند میں علمائے کرام ازالۃ الاوہام فارسی، ازالۃ الشکوک، اور اعجاز عیسوی اردو پہ توجہ مبذول فرمائیں کہ جدید تقاضوں کے مطابق اسلام کے اس دفاعی سرمایہ کو عام کرنے کی اور ہر طبقہ میں پہنچانے کی بے حد ضرورت ہے۔ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کی تصانیف میں ازالۃ الاوہام فارسی، ازالۃ الشکوک دو ضخیم جلدوں میں اور اعجاز عیسوی بہ زبان اردو قدیم ہندوستان کے اس دور میں لکھی گئیں

جب حضرت مولانا عیسائیت کے خلاف پادریوں کے مقابلہ میں صف آرا تھے۔ یہ سب کتابیں اور رسائل ہندوستان میں تالیف ہوئیں اور یہیں کے مختلف مطابع سے شائع ہوئیں۔
اظہار الحق کی تکمیل قسطنطنیہ (ترکی) میں ہوئی۔ وہیں سلطان عبدالعزیز کے حکم سے عربی میں طبع ہو کر تمام بلاد عربیہ میں تقسیم کی گئی اور سلطان ہی کے حکم سے متعدد زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے۔
حضرت مولانا کی ان بے مثال خدمات اور عقیدت و محبت کا اعتراف کرتے ہوئے خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالعزیز نے حضرت مولانا کو عظیم الشان دینی خطاب اور رتبہ "پایہ حرمین الشریفین" عطا فرمایا۔ یہ عظیم بابرکت خطاب صرف انہیں علمائے اجلاء اور مجاہدین عظام کے لئے تھا۔ جنکی خدمات اسلام اور مسلمانوں کے لئے بے حد عظیم اور وقیع ہوں۔ اسی کے ساتھ "تمغۂ مجیدی" درجہ دوم اور مرصع تلوار بھی عطا کی گئی اور مکہ معظمہ میں گورنر مکہ کی مجلس شوریٰ کے اعزازی رکن نامزد کئے گئے۔
شاید اس حقیقت کا اعتراف و اظہار غلط نہ ہوگا کہ برصغیر یا سرزمین ہند کے علماء میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب ہی وہ واحد ہستی ہیں جنکو سلاطین وقت کیطرف سے یہ مراتب عالیہ مرحمت ہوئے اس کے بعد دوبارہ مزید سلطان عبدالحمید کے دورِ خلافت میں قسطنطنیہ طلب فرمائے گئے۔ اکثر و بیشتر سلطان معظم عشاء کی نماز کے بعد مولانا کے ساتھ تخلیہ میں اہم معاملات پر گفتگو فرماتے۔ حضرت مولانا کی بینائی کافی کمزور ہو گئی تھی قدیم آدابِ مجلس کے مطابق چونکہ جوتے دروازے پر چھوڑنے کا دستور تھا۔ اس لئے مجلس سے رخصت ہوتے ہوئے حضرت مولانا کو جوتے ٹٹولنے پڑتے تو اکثر سلطانِ معظم سبقت فرما کر اپنے ہاتھ سے مولانا کے جوتے سامنے لاکر پہنانے پر اصرار کرتے۔ ایک بار سلطان جوتا پہنانے کو جھکے تو حضرت مولانا نے آبدیدہ ہو کر سلطان کو اس سے باز رکھنا چاہا۔ تو سلطان نے حضرت مولانا کے ہاتھ کو بوسہ دیکر فرمایا کہ "جب سے ہم نے علماء کے جوتے سیدھے کرنے چھوڑ دیئے ہم پر جوتے پڑنے لگے"۔
یہ واقعہ اختصار کے ساتھ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی کتاب "مسلمانوں کا نظامِ تعلیم" میں حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔ ردِ عیسائیت کے موضوع پر چونکہ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کو حضرت اقدس مولانا رحمت اللہ صاحب سے مکہ معظمہ میں طویل شرف تلمذ حاصل رہا ہے اور ہندوستان آنے کے بعد بھی آپ نے استاد و مربی سے مراسلت کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کا مفصل مکتوب گرامی حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے نام حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے خود مشاہدہ فرما کر اس کا اقتباس اپنی مذکورہ بالا کتاب میں شائع فرمایا۔
اب سے ایک سو سال قبل ارضِ پاک میں علومِ دینیہ کی تدریس عام کتب حدیث و تفسیر و فقہ و نحو

وغیرہ علومِ نقلیہ تک محدود تھی۔ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے جب کعبہ معظمہ کے سامنے صحنِ حرم میں مسندِ تدریس سنبھالی تو آپ نے اپنی فکرِ ثاقب اور بالغ نظری سے یہ مشاہدہ فرمایا کہ یہاں کی تدریس محض قال المصنف وقال الشارح کی حد تک عام سطحی طریقہ پہ ہے۔ یہاں کے علماء علم الکلام، علم المناظرہ، منطق، فلسفہ، ہیئت، اقلیدس وغیرہ سے اگر قطعی نابلد نہیں تو کم از کم ان علوم کی معنویت سے دور ہیں اور حرمین میں یہ علوم ان کی کتابیں بالکل غیر متعارف ہیں۔ چنانچہ آپ نے کمرِ ہمت باندھی اور بخاری شریف کے علاوہ مختلف اوقات میں درسِ نظامیہ کی خاص کتابیں اور علومِ عقلیہ کی تدریس شروع فرمائی۔ ہندوستان سے کتابیں منگائیں۔ طلبہ کو ان علوم کا شوق دلایا تعارف کرایا۔ اور آج بھی مدرسہ صولتیہ کے کتب خانہ میں وہ کتابیں موجود ہیں۔ جن میں اب سے ایک صدی قبل کے علماء اور طلبہ نے حضرت مولانا سے انکا درس لیا اور حرم محترم کی علمی تاریخ میں چاند اور سورج بن کر چمکے۔ مکہ معظمہ کی علمی تاریخ میں وہ دن بھی تاریخی شمار ہوتا ہے۔ جب حضرت مولانا نے حجۃ اللہ البالغہ اور مقدمہ ابنِ خلدون کا درس شروع فرمایا۔ مدرسین اور طلباء کی جماعتیں پروانہ وار حلقہ درس میں شریک ہونے لگیں۔ حرمین شریفین کی علمی تاریخ لکھنے والے تمام اہلِ فکر ونظر اس پر متفق ہیں کہ جزیرۃ العرب میں علومِ عقلیہ کا تعارف اور تدریس کا آغاز سب سے پہلے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے فرمایا اور پھر مدرسہ صولتیہ کے ذریعہ یہ فیض جاری رہا۔

یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کی تمام علمی، دینی تصانیف اور جہادی خدمات کے ساتھ آپکا سب سے بڑا کارنامہ ارضِ حرم پر "مدرسہ صولتیہ" ہے۔ یہ حقیقت بہت سے حضرات کے علم میں نہیں کہ مکہ معظمہ میں اب سے ایک سو بیس سال قبل کوئی علمی ادارہ یا مدرسہ نہیں تھا۔ ۱۲۸۵ھ میں ۲۷ رجب کی صبح کو حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے کعبہ معظمہ کے سامنے "مدرسۂ ہندیہ" کے نام سے ایک مدرسہ قائم فرمایا۔ یہ مدرسہ ۱۲۹۰ھ تک مسجدِ حرم اور محلہ شامیہ مکہ مکرمہ کے ایک مکان میں خدمتِ تعلیم انجام دیتا رہا۔ آخر قدرت کی طرف محسنۂ زماں صولۃ النساء بیگم کی قسمت میں یہ سعادت لکھی ہوئی تھی۔ آپ کلکتہ کی صاحبِ خیر اور صاحبِ ثروت خاتون تھیں۔ ۱۲۸۹ھ میں اپنے داماد کے ہمراہ حج کو گئیں۔ حضرت مولانا کے نامِ نامی اور ہندوستان میں ان کی شہرت اور کارناموں سے واقف تھیں۔ انہوں نے حضرت مولانا کے مدرسہ کو دیکھا خیر پسندی کا جذبہ پیدا ہوا اور مدرسہ کی تعمیر کے لئے گرانقدر رقم اس زمانہ کے تیس ہزار روپے پیش کئے۔ زمین خریدی گئی ت کا آغاز ہوا اور حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے کمال مروت اور اعترافِ احساس کے طور پر اپنے مدرسہ کا نام بدل کر اس محسنہ کے نام پر "صولتیہ" رکھا اور ماہ محرم ۱۲۹۱ھ سے اس میں باقاعدہ درس و تدریس کا فیض جاری ہوا جو الحمدللہ آج تک نہ صرف جاری وساری ہے۔ بلکہ مدرسہ صولتیہ ایک بین الاسلامی

ادارہ اور مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔

مدرسہ صولتیہ کیا ہے ؟ مدرسہ صولتیہ ایک مستقل تاریخ ہے۔ ایک مستقل تحریک ہے ایک منفرد مقصد کے لئے ارض حرم پر مسلمانوں کی منزل مقصود ہے۔ جو الحمدللہ اپنی راہ پر گامزن ہے۔ اس طرح اگر مولانا رحمت اللہ کے "مدرسۂ ہندیہ" سے موجودہ "مدرسہ صولتیہ" کی عمر کا حساب لگایا جائے تو اس چشمۂ رحمت کا ایک سو سولہواں (۱۱۶) سال ہے۔

میرے واجب الاحترام بزرگ الحاج مولانا امداد صابری صاحب نے اپنے والد ماجد مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ شرف الحق صاحب صدیقی دہلوی کی حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب سے نسبت تلمذ اور ایک سو سالہ دیرینہ قلبی و روحانی تعلق کی بنا پر یہ تقریب منعقد کی جس میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب اور مدرسہ صولتیہ کے متعلق ان کی تصنیف "آثار رحمت" بھی آپ حضرات کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

میں عمومی اور خصوصی طور پر اپنی اور آپ سب حضرات اس تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہوں وہ مولنا امداد صابری کی "آثار رحمت" اور ان کی دوسری بے مثل تصنیف "جہاد آزادی کے روشن چراغ" مطالعہ فرمائیں۔

Adarts HSF-1/79

از حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحب
اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی۔

دینی تعلیم اور عصری تقاضے

اسلام میں دینی تعلیم کی جو اہمیت، جامعیت، عمق و وسعت، ہمہ گیری و آفاقیت ہے وہ اہل نظر سے اوجھل نہیں۔ دینی تعلیم اصولاً ورثۂ انبیائی ہے۔ جو کلیۃً علم الٰہی پر مبنی ہے اور جس کا ہیولیٰ و پیکر تعلیمات الٰہیہ سے مشتق ہے علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس کے سوتے انسانوں پر انبیائے کرام علیہم السلام کے قلوب مطہرہ سے کھلے اور جاری ہوتے اگر اس کی ابتداء آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوئی تو نہایت اعلم الناس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر ہوئی ہے ؎

وہ دانائے سبل مولائے کل فخر الرسل — جس نے غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

بقول شبستری ؎

ای دگویا بزبانِ فصیح — از الف آدم تا میم مسیح

آپؐ کا صحیفہ آسمانی اور آپؐ کے ارشادات نورانی انسانیت کے پاس علم و عرفان و ہدایت و نور، خدارسی اور انسان سازی کا سب سے وسیع اور بڑا سرمایہ ہے جس کے بغیر نہ تو انسانیت بن سکتی ہے نہ باقی رہ سکتی ہے جس میں کوئی کمی نہیں۔ اور وہ انسانیت کے معاش و معاد کے جملہ مصالح و مفادات کا حامل و کفیل ہے جیسا کہ آیت الحمد للہ الذی انزل علیٰ عبدہ الکتاب و لم یجعل لہ عوجاً قیماً کا مفاد ہے۔ اور قیماً کا لفظ اپنی بلاغت میں ان جملہ حقائق کو اپنے میں سموئے ہوئے ہے۔

اسلام کی نگاہ میں چونکہ انسان کی زندگی موت پر ختم نہیں ہوتی۔ اس لئے "الدنیا" کو "الآخرۃ" کا اس طرح پیش خیمہ بنا دیا گیا کہ یہاں کا ہر عمل اپنے آثار و نتائج کے لحاظ سے وہاں مرتب ہوتا ہے گویا دونوں زندگیاں ایک ہی حقیقت کے دو پہلو اور ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ اس بنا پر اسلامی تعلیم اپنے اندر دین و دنیا کے مصالح کو لئے ہوئے ہے وہ حیات کو ایک اکائی سمجھتی ہے۔ اور پہلی (الاولیٰ) زندگی کو پچھلی (الاخرۃ) کی کھیتی قرار دیتی ہے۔ اس لئے اسلامی تعلیم کی جامعیت میں دین و دنیا دونوں آجاتے ہیں۔ وہ علوم جو انسان سازی پر مبنی ہیں ہم انہیں علوم دین

یا علوم مقاصد کہتے ہیں۔ جو مثلاً انبیاء علیہم السلام کی وراثت اور ان کے فرائض منصبیہ سے متعلق ہے۔ اور آج دینی تعلیم سے مراد انہی علوم سے لی جاتی ہے۔ دوسرے علوم جو انسان کی اس عالم میں ضروریات زندگی، راحت و آسائش سے متعلق ہیں جس کے بغیر اس دنیا کی زندگی بسر نہیں ہو سکتی ہم انہیں اشیا سازی یا استفادہ کائنات یا دنیاوی علوم یا علوم معاش کہہ سکتے ہیں۔ پیدائش آدم کے وقت ان دونوں علوم کا تذکرہ قرآن کریم نے سورہ بقرہ، الاعراف اور سورہ طٰہٰ میں کیا ہے "علّم آدم الاسماء کلّھا" میں اس بات کا اظہار ہے کہ فطرت بنی آدم میں اشیاء کے خواص وصفات کا علم سمو دیا گیا۔ یعنی جس دنیا میں آدم علیہ السلام نے اترنا تھا اور وہاں کی زندگی گذارنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت بقائے جسمانی یا راحت انسانی کے لئے تھی ان کا علم انسان کے اندر ودیعت کر دیا گیا اور اس سے استفادہ کے لئے حواس عقل و تجربہ کے آلات عطا کئے گئے۔ اور اس میں کافر و مومن کی تمیز نہیں کی گئی جو بنی آدم بھی حواس سے حاصل کردہ معلومات اور اپنے اور انسانی تجارب کی روشنی میں عقل و فہم سے کوشش کرے گا، کائنات سے استفادہ کی راہیں اس پر کھلتی جائیں گی۔ سائنس و ٹیکنالوجی اور دیگر دنیاوی علوم اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں جس میں محنت و اشتغال سے آج انسان ستاروں پر کمندیں ڈالنے لگا ہے۔ اور چاند و سورج تک رسائی پا رہا ہے۔ لیکن استفادہ کائنات کا علم اس عارضی دنیا کی چند روزہ زندگی کی ضروریات یا آسائش و راحت رسانی کے لئے ہے جس سے مقصود انسان کا اس عالم میں رہتے ہوئے اپنی جسمانی ضروریات بدرجہ کفایت پورا کرنا ہے۔ ان کا انہماک و اشتغال کلی مقصود نہ تھا۔ اس کی مثال اس پانی کی ہے جس پر زندگی نری اس کے لئے ہو جائے۔ تو نری ہلاکت ہے۔ عارف رومی نے کہا ہے۔

آب زیر کشتی پشتی است   آب اندر کشتی ہلاک کشتی است

یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر انسان کے بارے میں کہا گیا ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا   اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اور جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا   اپنی ظلمت شب کو سحر کر نہ سکا

اسی ظلمت شب کے سحر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام والا دینی علوم بھیجا۔ جس کے بارے میں ارشاد ہے۔ "قد جاءکم من اللہ کتاب ونور" اور اسی کے بارے میں قصہ آدم علیہ السلام میں وضاحت سے ارشاد فرمایا تھا "فاما یاتینکم منی ھدًی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ (البقرہ ۴۰)

اور سورہ اعراف میں "ھدی" کے لفظ اسی "ھدی" کے حاملین رسل کے تذکرہ سے مبدل فرما کر ارشاد فرمایا "اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم آیتی فمن اتقی واصلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ (اعراف ۴ آیت ۳۸) اور سورہ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا۔

فاما یاتینکم منی ھدًی فمن اتبع ھدای فلا یضل ولا یشقی (طٰہٰ ۷ آیت ۱۲۳)

غرض رسل کی لائی ہوئی ہدایت (ھدیٰ) وہ نور ہے جس سے انسان کی زندگی روشنی پاکر ظلم و جہل۔ عدوان و سرکشی۔ فسق و فجور۔ عصیان و گناہ۔ حیوانی خواہشات و نفسانی تاریکیوں و بدکاریوں سے نجات پا سکتی ہے۔ قلوب کے اندر خدا شناسی۔ حب الٰہی۔ خشیت ربانی۔ تقویٰ و پارسائی کے چراغ اسی سے روشن ہوتے ہیں۔ اور نفس امارہ کی بدکیشی۔ برائی گناہ و معصیت کی ظلمت اسی کی برکت سے نکلتی ہے۔ اور نفس انابت و طمانیت کے اس مقام پر پہنچتا ہے۔ جہاں "یا ایتھا النفس المطمئنہ" کی سرمدی آواز سامع نواز ہوتی ہے۔

یہی وہ نور نبوت ہے جس سے حق و باطل کا امتیاز۔ جائز و ناجائز کی تمیز حرام و حلال اور اچھے برے کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ یہی وہ چراغ ظہور ہے جس سے انسان علم الٰہی کی روشنی پاکر اپنے کو حدود و قیود کا پابند کر لیتا ہے۔ جو انسان کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کا واحد منشور ہے۔

حقوق العباد کی ادائیگی بغیر اس منشور کے ممکن نہیں۔ غرض انسان سازی اور تعمیر انسانیت۔ معرفت و خدا رسی خدمت خلق اور مخلوق کا درد و فکر سب اسی نور ہدایت کی کرنیں ہیں۔ اور یہ حقیقت برملا کہی جا سکتی ہے کہ دنیا میں جہاں بھی خیر کا کوئی ذرہ موجود ہے یا بھلائی کی کوئی کرن دکھائی دیتی ہے یہ اسی نور مبین کا کرشمہ ہے۔ جسے ہدیٰ کہئے یا علم الٰہی کے نام سے پکاریئے۔

علامہ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام مالکؒ کا قول نقل کیا ہے:۔

"لیس العلم بکثرت الروایہ۔ انما العلم نور یقذفہ اللہ فی قلوب الرجال" یہی نور انسان پر حقائق تشریعیہ کو منکشف کر کے ان میں یقین راسخ کو پیدا کر دیتا ہے۔ جسے ایمان کہتے ہیں۔ اور جیسے ابن مسعودؓ کی روایت میں " الایمان الیقین کلہ" (بخاری ص ۵، ج ۱) کہا گیا ہے یہی نور جب انسان کے رگ و پے اور جسم و روح میں سرایت کرتا ہے تو اعمال صالحہ کی صورت میں اس کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ قرن اول میں علم کے عملی مظاہر کو بھی علم کہہ دیا جاتا تھا۔ چنانچہ جامع ترمذی کی ایک روایت میں "الخشوع" جو کہ ایک عملی کیفیت ہے کو علم کہا گیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

"ان شئت لاحدثنک باول علم یرفع من الناس الخشوع یوشک ان تدخل المسجد الجامع فلاتری فیہ رجلا خاشعا

(جامع ترمذی جلد دوم باب ماجاء فی ذہاب العلم)

غرض حکمت الٰہیہ نے اس دنیا میں بنی آدم کو بھیج کر کچھ علوم تو اُسے ایسے ودیعت کئے جو یہاں کی زندگی کی رہائش آسائش و زیبائش کا سامان ہے۔ جن سے انسان استفادہ کائنات کرتا ہے۔ اور جو آیت ربانی " واستعمر کم فیہا " کا مفاد ہے۔ جیسے علامہ جصاص رازی نے احکام القرآن میں تصریح کی ہے۔

آج سائنس و ٹیکنالوجی کے علوم اسی صنف سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں ان سے اعراض و اغماض نہیں کیا۔ بلکہ موجودہ لادین تہذیب و تمدن سے پیشتر تمام دنیا میں مسلمان ہی اس کے حامل اور اس کی ساخت و

پرداخت کرنے والے تھے۔ مرحوم ہسپانیہ سے لے کر ہند و دیوارِ چین تک بے شمار حکما، فیلسوف و سائنسدان اسے سنبھالے ہوئے تھے جس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔ تاہم یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس علم کے حامل مسلمان سائنس دان اور کافر کیمیا دان میں یہ فرق ہے کہ مومن کے لیے اس راہ کا ہر قدم اللہ تعالیٰ کی قدرت۔ کمال صنعت کاری و حکمت کرشمہ سازی کی راہیں کھولتا ہے۔ اور بے اختیار پکار اٹھتا ہے ؎

اے مصور تیرے ہاتھوں کی بلائیں لے لوں　　　کیا تصویر بنائی ہے مِرے بہلانے کے لئے

بقولِ حافظ ؎

ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم　　　اے بے خبر ز لذتِ شُربِ مدامِ ما

اور کافر ان میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ مسلمان ان اشیاء سے استفادہ کے علم کو اپنی افزائشِ بصیرت و ایمان کا ذریعہ بناتے ہوئے اس میں کلیتہً منہمک نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے خدمتِ خلق کا ایک ذریعہ گردانتا ہے۔ اور ان میں اٹک کر اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتا۔

بات پھیلتی جاتی ہے۔ مدعائے سخن یہ ہے کہ اسلام اشیا سازی کے علوم کا مخالف نہیں لیکن اسے مقصودِ زندگی نہیں گردانتا۔ اپنی نگاہ ہر آن ان علوم پر مرکوز رکھتا ہے جو انسان کے بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کے ذریعے سے بھیجے۔ اور جس کے سب سے بڑے حامل و عامل عالم و داعی ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہ علوم ہمارے پاس آج قرآن و حدیث۔ فقہ و تفسیر۔ کلام و تصوف کی صورت میں سفینوں اور سینوں میں موجود ہیں۔ دینی علوم سینۂ نبوت کا سرمایہ اور نور ہیں جن کا سب سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت اور پہچان تقویٰ و عبادت۔ اخلاق و پارسائی کا حصول۔ صفائی معاملات اور معاشرت کی درستگی ہے۔ یہ علوم انسان پر ایک طرف خدا رسی کی راہیں کھولتے ہیں اور دوسری انسانی زندگی کو ان راہوں پر ڈالتے ہیں جن پر چل کر انسان دوسرے انسان کے حقوق کا محافظ۔ اس کی ناموس کا پاسبان اور اس کی جان و مال کا رکھوالا بن جاتا ہے۔ اور حقوق کی ادائیگی اور فرائض کی پابندی ایسے معاشرے کو وجود بخشتی ہے۔ جو احترامِ آدمیت۔ اکرامِ انسانیت۔ باہمی رفق و محبت اخوت و مساوات غم گساری و مواسات کا گہوارہ ہوتا ہے۔ جہاں انسان ایک دوسرے کو کھانے والا اور حقوق کا پامال کرنے والا نہیں ہوتا۔

یہ تعلیم انسان و معاشرہ کی ضرورت ہی نہیں بلکہ معاشرہ اپنی اصلاح و بقا کے لئے اسی تعلیم کا محتاج ہے آج دنیا میں بے راہ روی۔ اخلاقی انارکی۔ سیاسی کجی۔ معاشی ناہمواری اور معاشرتی خرابی پھیلی ہوئی ہے۔ سب اس تعلیم کے فقدان کا نتیجہ ہے مجھے کہنے دیجئے کہ دنیا آج اس تعلیم کی جتنی محتاج ہے۔ شاید اس سے پہلے کبھی بھی نہ تھی۔ اگر ہم نے دنیا کو بچانا ہے۔ اور انسان کو انسانیت کے مقام پر لانا ہے۔ تو ہم ببانگِ دہل یہ کہتے ہیں۔ کہ یہی تعلیم انسانیت

کی بقا، وحفاظت، ترقی وکمال کا واحد ذریعہ ہے۔ آیئے دنیا کو بتائیں کہ انسانیت کی تعمیر صرف اس تعلیم میں ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو دے کر گئے ہیں۔

اس تعلیم کے امین وحامل اور قلعہ ہمارے یہ دینی مدارس اور درس گاہیں اور دار العلوم ہیں۔ جن کے ایک گوہر شب چراغ اور گل سر سبد دار العلوم کا جشن صد سالہ منانے کے لئے ہم اکٹھے ہوئے ہیں آج ہمیں شکر ومباہات، احسان مندی وفخر کے ملے جلے جذبات کے ساتھ یہ سوچنا ہے۔ کہ ہم نے کتنی منزل طے کی ہے۔ اور ہمیں آگے کیا کرنا ہے۔

دینی تعلیم کا اصل مقصد علم نبوت کی ترویج واشاعت اور تعلیم وتعلم ہے تاکہ یہ امت بحیثیت کے حسب منشائے الٰہی اپنی زندگی انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے گذار سکے۔ اور اس علم سے علماً وعملاً آراستہ ہو کر عالم میں نقش حق کو قائم اور دین کی دعوت کو عام کر سکے۔ ظاہر ہے اس کے لئے دینی تعلیم کا وہ حصہ ضروری اور کافی ہے۔ جو منقولات قرآن وحدیث فقہ وتفسیر۔ عقائد وکلام۔ تصوف اور اسرار دین کے علوم میں منحصر ہے۔ ہمارے مدارس بحمداللہ تعالیٰ کافی حد تک ان علوم کی تعلیم دینے میں منہمک ہیں۔ اور ان کا اصل سرمایہ اور میدان بھی یہی ہے۔ بحمداللہ تعالیٰ اسی مروجہ نصاب تعلیم سے علم وعمل کی وہ نادرہ دہر شخصیتیں بفضلہ تعالیٰ پیدا ہوئیں۔ جو اپنے اپنے دائرہ میں خود محیط علم اور سر آمد روزگار تھیں۔ ملت کے دینی وعلمی۔ سیاسی ومعاشی۔ انفرادی واجتماعی غرض جملہ تقاضوں میں قندیل رہبانی اور روشنی کا مینار بن کر امت کی راہ نمائی کرتی رہی ہیں۔ اور آج امت محمدیہ میں حیات ملی کا جو خون دوڑ رہا ہے۔ یا علم وعمل کی جس قدر توانائی پائی جاتی ہے اور دین کا جس قدر حصہ باقی ہے۔ انہی بوریہ نشین یادہ توحید کے سرشاروں اور علوم نبویہ کے غم گساروں کی برکت ہے۔ جزاکم اللہ عنا وعن سائر الامۃ احسن الجزاء وکثر اللہ لہم۔

آج جدید زمانہ اور دنیا دور بے شمار تقاضوں اور ضرورتوں کے ساتھ سایہ افگن ہے۔ تہذیب حاضر اپنی جملہ فتنہ سامانیاں کج ادائیاں۔ دلفریبیوں اور ذہنی وعلمی موشگافیوں کے ساتھ ملت کے ایک کثیر طبقہ کو دین کے بارے میں شک وارتیاب، بے دینی والحاد کی راہ پر ڈالنے پر کمربستہ ہے۔ کہیں سیاسیات ومعاشیات۔ کہیں فلسفہ واستشراق کہیں سائنس وٹیکنالوجی کہیں تہذیب وتمدن اپنے اپنے رخ سے دین ومذہب کی چولیں ہلانے پر تلا ہوا ہے۔ آج حقیقتاً دنیا میں صرف ایک ہی دین ہے۔ جس کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام جو زندگی کے جملہ گوشوں اور معاشرت کے جملہ پہلوؤں اور حیات انسان کے کل وجود پر حاوی ہے۔ اس لئے عالم انسانیت میں جو فتنہ ابھرتا ہے اس کی اصلی زد صرف اسلام پر پڑتی ہے۔ دنیا میں کوئی فکری یا علمی بھونچال آتا ہے اس کا مدعا اسی دین قیم کی جڑوں کو متزلزل کرنا ہوتا ہے۔ سیاسی یا معاشی نظریات کی جو آندھی چلتی ہے وہ العیاذ باللہ اسلام کے چہرہ کو غبار آلود کرنا چاہتی ہے۔ الحاد ودہریت کا جو سیلاب اٹھتا ہے اس کی سرکش موجیں اسلام کے ساحل پر چھا جانا چاہتی ہیں۔ کفر کا ہر ریلہ فرزندان توحید کو نگل لینا چاہتا ہے۔ اور بے دینی کی ہر موج اعلیٰ حق کو دبا دینا

کہتے ہے

چاہتی ہے ۔ غرض خاتم النبیاء رسول اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا لافانی دین اسلام ہر طرف سے ہر اعتبار سے ہر رخ سے کفر وطغیان بے دینی و الحاد کے نرغے میں ہے ۔ اس قدر شدید ذہنی و فکری ۔ معاشی و سیاسی ۔ تہذیبی و تمدنی ۔ معاشرتی و تعلیمی یلغار اور صورت پڑنے پر استعماری عسکری حملے شاید تاریخ کے کسی دور میں نہیں ہوئے ۔ اور یہ ہمہ گیر و ہمہ رس عالمی محمدی چیلنج جس سے آج اسلام دوچار ہے ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مسند علم وارشاد کے جانشینوں ، انبیاء کرام علیہم السلام کے وارثوں سے پھر اسی قوت ایمانیہ ۔ غیر متزلزل یقین و اعتماد علی اللہ ۔ نور بصیرت فراست مومن حکمت ودانائی ۔ تفقہ و تدبر ۔ پختگی کردار ۔ حقانیت دین پر لازوال ایقان ۔ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر انمٹ بھروسہ ۔ ژرف نگاہی ۔ وقت شناسی ۔ وقت رسی ۔ قرآن فہمی ۔ حدیث دانی ۔ فقیہہ النفسی ۔ احاطت علمی نور باطن ۔ صفائی قلب ۔ عقل رسا اور رجولانی طبع کا تقاضا کرتا ہے ۔ جو دشمن کے ہر داؤ ، گھات کو پوری طرح سمجھ کر اور ان کی ہر چال کو جان کر ہر میدان میں ان کے ہر حملہ کا نہ صرف تابڑ توڑ جواب دے بلکہ دین کے ایک فہیم و حکیم داعی کی حیثیت سے اسلام کی حقانیت ، فوقیت اور ابدی و ناگزیر حقیقت ہونے کا سکہ ان کے دلوں پر بٹھا کر انہیں اسلام کا نہ صرف قائل ۔ مائل و گھائل کرے بلکہ اس کا حلقہ بگوش بنا دے ۔

یہ کام جس قدر ہمت وعزیمت جرأت وصبر آزمائی اور علم کے گیراؤ و گھیراؤ کا طالب ہے ۔ وہ ظاہر ہے ہمارے اسلاف کی تاریخ گواہ ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اپنے اس لافانی دین کی حفاظت کے لئے رجال کار پیدا کئے ۔ جن کے ذریعے حکمت وفضل ربانی نے تاریخ کا رخ پھیر دیا ۔ جس امت میں ابوحنیفہؒ ۔ امام مالکؒ ۔ امام شافعیؒ احمد بن حنبلؒ ۔ سرخسیؒ ۔ ابوجعفر طحاویؒ ۔ ابوبکر رازیؒ ۔ ابن عبدالبر اندلسیؒ ۔ ابوالولید الباجیؒ ۔ تقی الدین ابن دقیق العید ابن ہمام وغیرہ جیسے سدا فقیہہ گذرے ہوں جس میں امام بخاری ۔ امام مسلم ترمذی ۔ ابوداؤد ۔ نسائی و بیہقی ۔ حاکم و بیہقی حاکم وجوزی ۔ ابن خورک و نسطلانی ۔ ابن حجر و عراقی ۔ عینی و ذہبی جیسے محدث موجود رہے ہوں جس میں امام اشعری امام غزالی ۔ امام قشیری ۔ ابن تیمیہ ۔ ابن قیم جیسے صد نادرہ پیدا ہوئے ہوں جس کی تاریخ طارق و ابن قتیبہ ، سلیمان اعظم و صلاح الدین جیسے جانبازوں سے پر ہوں جس میں جنید و شبلی ۔ بسطامی و جیلانی ۔ شیخ اکبر و نقشبند جیسے نفوس قدسیہ برکت کا سبب بنے ہوں وہ امت پست ہمت و مایوس کیونکر ہو سکتی ہے ۔

دور کیوں جائیے ہمارے اسلاف میں اس خطۂ زمین میں کیا نصرت الٰہی نے پچھلے دور میں مجدد سرہندی سے لے کر شاہ ولی اللہ اور شاہ سید احمد شہید ۔ امام اسمٰعیل شہید ، پھر ان کے ہمہ آفتاب خانوادوں سے لے کر حضرات عبدالرشید گنگوہی ۔ قاسم نانوتوی ۔ شیخ الہند محمود الحسن ۔ حضرت تھانوی ۔ حضرت انور شاہ کشمیری ۔ حضرت عزیز الرحمٰن ۔ حضرت حسین احمد مدنی ۔ حضرت مفتی محمد شفیع اور محمد یوسف بنوری جیسے بیسیوں نابغہ اتنے عصر کو وجود بخشا ۔ جن میں ہر ایک ذات اسلام کی حقانیت کی نشانی دین کا ستون ۔ علم کا بحر بے پیدا کنار تھا ۔ آج بھی یہ حضرات

یہ حضرات ہم سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ عصری تقاضے گو ایک گونہ اہم ہوں لیکن ان کی مثال دھوپ چھاؤں کی ہے اس لئے دین سپر انداز نہیں ہوتا۔ الحق یعلو ولا یعلیٰ ؎

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری		بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

اس لئے نئے تقاضوں کو سمجھئے، جانئے ان کی تہہ تک پہنچئے لیکن سلف کی راہ سے سرِ مو انحراف نہ ہو۔ احقاق حق، ابطال باطل شیوہ ہو مداہنت اور باطل سے صلح جوئی مردانِ حق کا شیوہ نہیں حکمت و نرمی ابلاغ حق میں مقصود ہے لیکن وہ پرکاری و تلبیح جس سے حق واضح نہ ہو جوان مردوں کا کام نہیں ؎

ہے کار جواں مرداں حق گوئی و بے باکی		اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

عارف الہ آبادی نے خوب کہا ہے ؎

ہر چند فلاسفہ کی چناں اور چنیں رہی		لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

آخر میں عصری علوم کی اپنے قدیم نصاب سے پیوندکاری کے بارے میں ایک بات برملا زبان پر آ رہی ہے علوم جائزہ کا جس شدت سے حملہ ہے وہ		سوال یہ ہے کہ آیا تقسیم کار کے اس دور میں جس میں ہر فن میں مہارت ایک ضرورت بن گئی ہے ہم قدیم دینی علوم کے ماہرین پیدا کرنے کی بجائے ایسے ہر فنی غیر کاملین کی کھیپ پیدا کرنی شروع کر دیں۔ جو کہ ہر کچھ جانتے ہوں اور پھر بھی کاملاً کچھ بھی نہ جانتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ غلطی یا خودکشی کوئی گوارا نہیں کر سکتا۔ لیکن موجودہ عصری علوم کی اہمیت سے بھی انکار نہیں۔ اور علماء کاملین کے ایک طبقہ کو اس کا جاننا احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے لازم ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ دوسروں کے علوم سے مسلمانوں کو سب سے پہلے تیسری صدی سے پانچویں تک سابقہ پڑا تھا۔ جب کہ یونانی، رومی، ہندی اور ایرانی علوم مسلمانوں میں در آئے تھے۔ اور ان کی وجہ سے ایک طبقہ شک و ریب میں مبتلا ہونے لگا تھا۔ اس دور کے ان مشرقی اور مغربی علوم کا مداوا جن بزرگوں نے کیا تھا۔ ان کے سرخیل امام غزالی۔ امام رازی اور امام زمخشری وغیرہ تھے۔ انہوں نے ان علوم کو جوں کا توں اپنے نصاب میں داخل نہیں کیا تھا۔ بلکہ پہلے انہیں مسلمان کیا تھا۔ پھر ان کی تعلیم کو مسلمانوں میں رائج کیا تھا۔ ع

ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کے

دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ علوم کے بحر ظلمات کو آب حیات اور اس گنگا جل کو کوثر و تسنیم کون بناتا ہے ضرورت ہے کہ ابتدا سے پیوندکاری کی بجائے تخصص کے طور پر مختلف علوم میں سے مختلف شناخوں کو لیا جائے۔ اور اسے جان اور سمجھ کر جو اسلام کے مطابق ہیں خذ ما صفا ودع ما کدر کے اصول کے مطابق اسے رہنے دیا جائے جو باطل ہے۔ بغیر کسی مداہنت کے اس کا رد کیا جائے۔ اور جہاں تطبیق ممکن ہے گوارا کیا

کیا جائے۔ اس طرح زہر قند اور شراب سم کر بن سکتی ہے۔ علوم سے استفادہ منع نہیں۔ سوال اجتناب ضرر کا ہے۔ کاش اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ زمانے کے تقاضوں کو سمجھیں اور ایک ایسی نیو ڈالیں جس سے یہ لافانی دین اپنی جملہ بہاروں کے ساتھ پھر سے عالم کو گلزار بنا سکے۔ کہ اسلام آخری دین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی اور یہ امت آخری اور لافانی امت ہے۔ ؎

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے — اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل

بیا تا گل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم — فلک را سقف بشگافیم و طرح دگر اندازیم

اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقان ریزد — من و ساقی بہم سازیم و بنیادش بر اندازیم

صدسالہ اجلاس دیوبند میں

مولانا محمد اسعد مدنی کا خطاب

۲۳ مارچ کو دارالعلوم دیوبند کے صدسالہ اجلاس کی اختتامی نشست سے حضرت مولانا محمد اسعد صاحب مدنی صاحبزادہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ نے ولولہ انگیز خطاب فرمایا۔ اس تقریر کا کچھ خلاصہ جناب کریم الاحسانی صاحب بھارت کے قلم سے پیش ہے۔

خداوند قدوس کا ہزار ہزار شکر واحسان ہے کہ اس نے ہمیں اس تاریخی اجلاس میں شرکت کی توفیق بخشی۔ یہ دارالعلوم کی عمارت جسے آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ وہی جگہ ہے، جہاں سے سید احمد شہیدؒ نے علم نبوت کی بو سونگھی تھی اور اس جگہ پیشاب کرنا بھی پسند نہیں کیا تھا۔ یہ کنواں جو آج بھی احاطہ مولسری میں آپ دیکھ رہے ہیں یہ وہی کنواں ہے جس پر حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ مہتمم اوّل دارالعلوم نے سرکار دوعالمؐ کو دودھ تقسیم کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

حرمین الشریفین میں ۷۰ سال سے دارالعلوم کے فیض یافتہ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ کوئی جماعت کوئی تنظیم، کوئی تحریک جو دین کی خدمت میں لگی ہوئی ہے یہ دارالعلوم ہی کا فیض ہے۔ خدا کا فضل ہے کہ اس سرزمین کو کتاب وسنت کی تعلیم کے واسطے منتخب فرمایا۔ اس کی بدولت ہزاروں خاندان اسلام میں داخل ہوئے۔ جب بھی کوئی تحریک کسی بھی نام پر نمودار ہوئی کہ جس سے اسلام کو خطرہ ہوا، دارالعلوم کے سپوتوں نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اکابرین دیوبند نے ہمیشہ سچ کہا کبھی دین میں خیانت نہیں کی نہ انشاء اللہ کی جائے گی۔ کبھی یہ نہیں سوچا کہ فلاں ناراض ہو جائے گا، کبھی کوئی رعایت نہیں کی، جان مال عزت آبرو کی کوئی پرواہ نہ کی اسلام کا حق ادا کیا اور اسی طرح کرتے رہیں گے۔

۱۹۴۷ء میں یہ فیصلہ کیا کہ یہی ملک ہمارا ہے ہم اسی ملک میں رہیں گے اور مسلمان بن کر زندہ رہیں گے۔ جمعیۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے دارالعلوم کے فیض یافتہ حضرات حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مجاہد اور ان کے ساتھی سر سے کفن باندھ کر نکلے اور فیصلہ کیا کہ مسلمان

بچہ بچہ کو مسلمان بنا کر اس ہندوستان میں زندہ و سلامت رکھیں گے۔ اور عزت و آبرو جان مال کی آخری لمحہ تک حفاظت کریں گے۔

حضرت مجاہد ملت سے کہا گیا کہ آپ اپنی اور بچوں کی حفاظت کریں ہر طرف خطرہ ہی خطرہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ میں اس بات کو بہتر سمجھتا ہوں کہ میری لاش دوسرے مسلمانوں کے ساتھ خاک و خون میں پڑی ہو۔ اس سے کہ میں اپنے بچوں اور جان کو لیکر کسی پناہ گاہ میں چلا جاؤں جو کچھ ہوگا ایک ساتھ ہوگا ـــــ حاجی رشید صاحب دارالعلوم کی شوریٰ کے رکن اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور میں مدینہ منورہ کے باہر بیٹھے ہوئے تھے۔ کہا کب تک ہندوستان میں پڑے رہو گے۔ ایک نہ ایک دن تو آنا ہی پڑے گا۔ آج دیکھ لو یہ دارالعلوم کا فیض ہے کہ ساری دنیا سے زیادہ اسلام ہندوستان میں زندہ ہے مسلمان زندہ ہے۔ اور انشاء اللہ کسی کی طاقت نہیں ہے کہ ہم سے ہمارا دین چھین سے، ہم مرمٹیں گے۔ مگر دین کو نہ چھوڑیں گے۔ ہماری جان کی کوئی قیمت نہیں، دین کی قیمت ہے۔ دنیا کا کوئی ملک ہمارے مقابلہ میں دیندار نہیں۔

۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں ہزاروں جانیں ضائع ہوچکی تھیں، کروڑوں کا مال تباہ ہوچکا تھا جمعیۃ العلماء ہند کے اکابر جو دارالعلوم کے فیض یافتہ تھے مولانا ابوالکلام آزاد سے لیکر نیچے تک کے لوگوں نے فیصلہ کیا کہ اگر آئندہ نسل کو مسلمان باقی رکھنا ہے تو گاؤں گاؤں اور گلی گلی میں مدارس کا جال پھیلا دو خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ یہ تحریک مقبول ہوئی اور پورے ملک میں پچاسی ہزار مدارس کا جال پھیلا ہوا ہے۔ جن میں گیارہ گیارہ بارہ بارہ مدرس دینی تعلیم کی خدمت انجام دیتے نظر آتے ہیں اور ہندوستان کے غریب مسلمان اس بوجھ کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

۱۹۴۷ء کے بعد عزت و آبرو جان و مال ہزاروں امتحانوں میں مبتلا ہوئے۔ مگر دین الحمدللہ اسی طرح باقی ہے اور باقی رہے گا۔ اللہ کا فضل ہے کہ دین کی خدمت کے واسطے ہمارے قدم آگے رہے ہیں اور آگے رہیں گے۔

تحریک قادیانیت میں حضرت علامہ مولانا انورشاہ صاحب کی آواز نے تہلکہ مچا دیا ہزاروں وہ بستیاں جو قادیانی ہوچکی تھیں، اس فیض یافتہ دارالعلوم کے طفیل میں اسلام میں واپس آگئیں۔

دارالعلوم کے فیض یافتہ جمعیۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے اٹھے اور ۱۶، ۱۶ لاکھ ان افراد کو جو مرتد ہو چکے تھے۔ اسلام میں واپس لائے۔ پیدل چل کر گئے، صعوبتوں کو برداشت کیا مگر قدم پیچھے نہ ہٹا۔ اللہ کا فضل ہے۔ ہمارا سرمایہ خلوص ہے، للّٰہیت ہے، انابت الی اللہ ہے۔ ہمارا یہ اجلاس ترقی کا ذریعہ دنیا کے اعتبار سے نہیں، انہیں خصوصیات کا حامل ہے جن خصوصیات کو لیکر اس ادارہ کا قیام عمل میں آیا وہ انابت الی اللہ۔ یہ دارالعلوم خالی ایک دینی درسگاہ ہی نہیں بلکہ یہ ایک تحریک بھی ہے۔"

امام ابوحنیفہؒ کا درس و افادہ
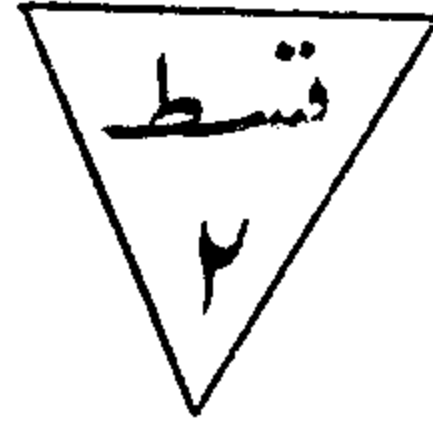
اخوندزادہ عبدالقیوم فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
صدر مدرس و مفتی اظہار الاسلام۔ چکوال

ابراہیم نخعیؒ کی وفات کے بعد فقہ کا مدار حمادؒ ہی پر رہ گیا مگر ۱۲۰ھ میں ان کی وفات نے بھی کوفہ کو بے چراغ کر دیا۔ حماد کا بیٹا ناتجربہ کار تھا اس لئے درس میں ناکام رہا اور موسیٰ بن کثیر حج پر چلے گئے تو تمام بزرگوں نے متفقہ طور پر امام صاحبؒ سے مسندِ حدیث کو مشرف فرمانے کی درخواست کی۔ آپ نے چار و ناچار ذمہ داری قبول فرمائی۔ تاہم دل مطمئن نہیں تھا۔ قلبی اضطراب اور بے یقینی کے ان ایام میں خواب دیکھتے ہیں کہ "پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کھود رہے ہیں۔" ابن سیرینؒ تعبیر بتاتے ہیں کہ "اس سے ایک مردہ علم کو زندہ کرنا مقصود ہے۔" یہ بشارت منامی تسکینِ خاطر کا باعث ہوئی اور بڑے اہتمام و انہماک سے درس جاری رکھا۔

درس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ کوفہ کی درسگاہیں ٹوٹ کر ان کے حلقہ میں آملیں بڑے بڑے ائمہ فن اور آپ کے اساتذہ مثلاً مسعر بن کدام اور امام اعمش بھی استفادہ کی غرض سے شریک ہونے لگے۔ آپ کی درسگاہ میں مکہ۔ مدینہ۔ دمشق۔ بصرہ۔ واسطہ۔ موصل۔ جزیرہ۔ نصیبین۔ رملہ، مصر، یمن۔ یمامہ۔ بحرین۔ بغداد۔ اہواز۔ کرمان۔ اصفہان۔ حلوان، استرآباد، ہمدان۔ رے۔ قومس۔ دامغان۔ طبرستان۔ جرجان۔ نیشاپور۔ سرخس۔ بخارا۔ سمرقند۔ کس۔ صغار۔ ترمذ، ہرات، قہستان۔ الزم۔ خوارزم۔ سیستان۔ مدائن۔ مصیصہ اور حمص وغیرہ کے باشندے مستفیض ہو رہے تھے۔ (جواہر المضیہ ص ۵۴۳ ج ۳ و عقود الجمان باب خاص)

فیا للعجب! آخر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے۔ جب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمایا ہو کہ "میری امت گمراہی پہ مجتمع نہ ہو سکے گی۔ مذکورہ تاریخی حقائق کے پیش نظر جس شخصیت کو پوری اسلامی دنیا نے حصولِ علمِ حدیث کے لئے مرجع بنایا ہو۔ ملتِ اسلامیہ کے اکثر اہلِ علم اور صاحبِ فضل و کمال جس کے گرد جمع ہوں جس کی استادی کے حدود خلیفۂ وقت کی حکومت سے وسیع ہوں نیز دنیا بھر کی گشت کرنے کے بعد جہاں سے علوم کے پیاسوں کی پیاس رفع ہوتی ہو۔ ایسی شخصیت۔ مشکوٰۃ نبوت سے اخذ و استنباط میں ضعیف، قوتِ استدلال میں کمزور اور روایتِ حدیث میں ناقابلِ اعتبار ہو۔

تلامذہ | امام اعظم ابوحنیفہؒ علم حدیث میں جس عظیم مہارت کے حامل اور مشکوٰۃ نبوت سے اخذ و استنباط میں جس عظیم رتبہ پہ فائز تھے۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ تشنگان علوم حدیث کا انبوہ کثیر آپ کے حلقۂ درس میں سماع حدیث کیلئے حاضر ہوا۔ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ :

امام اعظمؒ سے حدیث کا سماع کرنے والے مشاہیر محدثین میں حماد بن نعمان ، ابراہیم بن طہمان ، حمزہ بن حبیب ، زفر بن ہذیل ، قاضی ابو یوسف ، عیسیٰ بن یونس ، وکیع ، یزید بن زریع ، اسد بن عمرو ، خارجہ بن مصعب ، محمد بن بشیر ، عبدالرزاق ، محمد بن حسن الشیبانی ، مصعب بن مقدام ، ابو عبدالرحمٰن مقری ، ابونعیم ، ابو عاصم اور دیگر یگانۂ روزگار افراد شامل تھے ۔ (تہذیب التہذیب ج ا ص ۴۴۹)

حافظ ابوالمحاسن شافعی نے تو آپ کے تلامذہ کی تعداد ۹۱۸ بقید نسب بتائی ہے ۔

امام مکی بن ابراہیم امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور امام بخاریؒ کے استاد ہیں امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کی ۲۲ ثلاثیات میں سے گیارہ امام مکی کی سند سے روایت کی ہیں۔ گویا امام بخاری کو اپنی صحیح میں عالی سند کیساتھ ثلاثیات درج کرنے کا شرف امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ کا صدقہ ہے ۔ امام بخاری کے اسانید میں اکثر شیوخ حنفی ہیں ۔ بلکہ جن شیوخ کی وجہ سے صحاح ستہ کی عمارت قائم ہے ۔ ان میں اکثر حضرات علم حدیث میں امام صاحب کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں ۲۸ قاضی ہونے کے لائق اور بڑی تعداد میں مفتی ہونے کی اہلیت رکھتے تھے ۔

مشہور محدثین جو امام صاحب کے شاگرد ہیں :۔

۱۔ عبداللہ بن مبارک (متوفی ۱۸۱ھ) | محدثین آپ کا "امیر المومنین فی الحدیث" کے لقب سے تذکرہ کرتے ہیں ۔ صحیحین (بخاری و مسلم) میں آپ کی روایات کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے ۔ نیز آپ فن روایت کے امام مانے جاتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے : " مجھے جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ امام ابوحنیفہؒ اور امام سفیان ثوری کے فیض سے حاصل ہوا ہے ۔"

۲۔ وکیع بن الجراح (متوفی ۱۹۷ھ) | علم حدیث میں امام ہیں اور امام احمد بن حنبل کے قابل فخر استاد اور امام ابوحنیفہؒ کے لائق تلامذہ میں سے ہیں ۔

۳۔ یحییٰ بن سعید القطان (متوفی ۱۹۸ھ) | فن رجال کے بانی امام احمد بن حنبل کے استاد ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے درس میں اکثر شریک رہتے ۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ۔ "میں نے اپنی آنکھوں سے یحییٰ بن سعید القطان کی مانند کسی کو نہیں دیکھا ۔"

۴۔ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ (متوفی ۱۸۲ھ) | مشہور حافظ حدیث اور ابوحنیفہؒ کے مشاہیر تلامذہ میں

سے ہیں "صاحب ابی حنیفہ" کہلاتے ہیں۔ صحاح ستہ میں آپ کی روایات کثرت سے موجود ہیں۔

۵۔ یزید بن ہارون (متوفی ۲۰۶ھ) | فنِ حدیث کے مشہور استاد ہیں۔ امام احمد بن حنبل اور ابن ابی شیبہ جیسے مشہور ائمہ حدیث آپ کے شاگرد ہیں۔ مدت تک امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں رہے۔

۶۔ داؤد الطائی (متوفی ۱۶۰ھ) | امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد اور فقہ میں امام صاحب کی مجلسِ شوریٰ کے معزز رکن تھے۔ محدثین کے نزدیک بلا اختلاف ثقہ ہیں۔

۷۔ حفص بن غیاث (متوفی ۱۹۶ھ) | علامہ ذہبی نے حفاظِ حدیث میں شمار کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔ ہارون الرشید کے زمانۂ خلافت میں کوفہ و بغداد میں پندرہ سال تک جج رہے۔

۸۔ ابو عاصم النبیل (متوفی ۲۱۲ھ) | امام صاحب کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ صحیحین میں آپ سے بہت سی روایات کی گئی ہیں۔ آپ سے کسی نے پوچھا سفیان ثوری زیادہ فقیہہ ہیں یا ابوحنیفہ۔؟ فرمایا: موازنہ صحیح نہیں۔ ابوحنیفہؒ نے فقہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ اور سفیان ثوری صرف فقیہہ ہیں۔

۹۔ عبدالرزاق بن ہمام (متوفی ۲۱۱ھ) | امام احمد بن حنبل اور امام سفیان عیینہ کے استاد ہیں۔ نامور محدثین سے ہیں امام صاحب کے مشہور شاگرد ہیں۔ حدیث کی مشہور کتاب "جامع عبدالرزاق" آپ ہی کی ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی آپ کی کتاب سے استفادہ کیا ہے۔

کیا مشاہیر محدثین اساتذہ کرام اور نقاد حدیث تلامذۂ عظام رکھنے والا اور خود صاحب فہم و فراست حدیث سے خالی ہوسکتا ہے۔؟ اور وہ بھی ایسا کہ جسکی حدیث دانی اور حدیث فہمی کی ہزاروں شہادتیں موجود ہوں بطور نمونہ ایک شہادت نواب صدیق حسن خان صاحب قنوجی، علامہ ابن خلدون سے نقل کرتے ہیں۔

یدل علی انه من المجتهدین فی علم الحدیث اعتماد مذهبه بینهم والتعویل علیه واعتباره رداً و قبولاً ـــ الخ (الحطہ ص ۳۴)	امام اعظم ابوحنیفہؒ کبار محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ دلیل اس پر یہ ہے کہ ان کے مذہب پر اعتماد و اعتبار کرکے موافق و مخالف رد اور قبول کیطرف متوجہ ہوں۔

مگر حاسدین و معاندین نے آپ کے احتیاط فی الروات کو دیکھ کر اور آپ کے مدارک علیہ سے جہالت و نادانقفیت کی بناء پر آپ پر قلتِ حدیث کا الزام لگا دیا ۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

امام صاحبؒ کا روایتِ حدیث میں حزم و احتیاط امام ابوحنیفہؒ وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے معاصرین کی لعن طعن کا خیال کئے بغیر لوگوں کو قبولِ حدیث کا ایک معیار بتلایا اور احادیث سے مکمل استفادہ کی غرض سے اصولِ حدیث مقرر کئے جن پر احادیث کی صحت و ضعف کا مدار ہے جس کو تفصیلاً تانیب الخطیب ص۱۵۲، ص۱۵۳ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے روایتِ حدیث میں جس حزم و احتیاط سے کام لیا ہے اس سلسلہ میں امام سفیان ثوری کی شہادت عبداللہ بن مبارک کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں:

كان ابوحنيفه شديد الاخذ للعلم ذابًا من حرم الله ان تستحل باخذ بما صح من الاحاديث التي كانت يحملها الثقات وبالآخر من فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم وبما ادرك عليه علماء الكوفة ثم شنع عليه قوم يغفر الله لنا ولهم۔ (الانتقاء لابن عبد البر ص۱۴۲ طبع مصر)	امام ابوحنیفہؒ علم کے حاصل کرنے میں بڑے سخت محتاط اور حدودِ الٰہی کی بے حرمتی پر بے حد مدافعت کرنے والے تھے اور وہ صرف وہی حدیث لیتے تھے جو ثقہ راویوں سے مروی اور صحیح ہوتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو وہ لیا کرتے تھے اور اس فعل کو جس پر انہوں نے علماء کوفہ کو عامل پایا تھا۔ مگر پھر بھی ایک قوم نے (بلاوجہ) ان پر طعن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور ان سب کی مغفرت کرے۔

عراق کے مشہور محدّث الحافظ الامام وکیع بن الجراح فرماتے ہیں:

لقد وجد الورع عن ابي حنيفه في الحديث مالم يوجد عن غيره (مناقب امام صدر الائمہ ج ص۱۹۷)	بلاشبہ امام ابوحنیفہؒ نے حدیث میں وہ احتیاط کی ہے جو اور کسی سے ایسی احتیاط نہیں پائی گئی۔

شیخ بغداد، مشہور محدث الحافظ امام علی بن   نے تو یہاں تک فرما دیا کہ:

ابوحنيفه اذا جاء بالحديث جاء به مثل الدر۔ (جامع المسانید ج ص۳۰۴)	امام ابوحنیفہؒ جب حدیث پیش کرتے ہیں تو وہ موتی کی طرح چمکدار ہوتی ہے۔

ضد اور ہٹ دھرمی کا علاج نہیں، نہ ماننے والوں کیلئے دفتر کے دفتر بھی بے سود ہیں اور تسلیم کرنے والوں کیلئے ایک صحیح بات بھی کافی ہوتی ہے۔ کیا مذکورہ بالا مستند حوالہ جات اور سچی شہادتیں اس بات کا بیّن ثبوت نہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا علمِ حدیث و روایت میں حزم و احتیاط کی محدثین میں نظیر نہیں ملتی۔ کیا ایسے شخص کو "یتیم فی الحدیث" اور "قلیل الحدیث" کہنا انتہائی ظلم اور کمالِ جہالت کا اظہار نہیں۔ مبغضین و متعصبین کے امام صاحب کے بارہ

ہیں" قلیل البضاعۃ فی الحدیث" کے نظریہ کو صاحبانِ عقل وبصیرت بے بنیاد، باطل، تقوّل اور جھوٹ کے سوا کیا کچھ کہہ سکتے ہیں۔

امام صاحبؒ کے مرویات کی تعداد حضرۃ العلامہ ملا علی قاریؒ امام محمد بن سماعہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

ان الامام ذکر فی تصانیفہ نیفاً وسبعین الف حدیث وانتخب الآثار من اربعین الف حدیث۔
(مناقب علی القاری بذیل الجواہر ج۲ ص۴۷۴)

امام ابوحنیفہؒ نے اپنی تصانیف میں ۷۰ ہزار سے زائد حدیثیں بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔

...

صدر الائمہ امام موفق بن احمد تحریر فرماتے ہیں کہ:

وانتخب ابوحنیفہ الاثار من اربعین الف حدیث۔ (مناقب موفق ج۱ ص۹۵)

امام ابوحنیفہؒ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا علمِ حدیث میں کمال درک کے پیشِ نظر ناقدِ فن رجال سرتاج المحدثین، امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن سعید القطان قسم اٹھا کر یہ بیان دیتے ہیں کہ:

انہ واللہ لاعلم ھذہ الامۃ بما جاء عن اللہ ورسولہ۔
(ابن ماجہ اور علم حدیث از نعمانی)

خدا تعالیٰ کی قسم امام ابوحنیفہؒ اس امت میں خدا تعالیٰ اور اس کے رسولِ برحق سے جو کچھ وارد ہوا ہے اس کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

رفعِ اشکال گو امام اعظم کو اپنے معاصر محدثین اور تلامذہ حدیث میں حاکم (جو حضورؐ کی تمام احادیث پر متناً سنداً مکمل دسترس رکھتا ہو) اور شہنشاہ تسلیم کرتے تھے مگر بظاہر یہ اشکال وارد ہوتا ہے اور عموماً وارد کیا جاتا ہے کہ امام بخاریؒ نے تو اپنی صحیح کا انتخاب چھ لاکھ احادیث سے کیا جبکہ امام صاحب صرف ۷۰ ہزار احادیث سے ۴۰ ہزار احادیث کا انتخاب کر کے "کتاب الآثار" لکھتے ہیں تو یہاں دونوں کے درمیان تقابل کی صورت میں جو نتیجہ نکلتا ہے وہی معترضین کا سب سے بڑا ہتھیار ہے جس سے امام ابوحنیفہؒ کی شخصیت کو مجروح کیا جاتا ہے۔

ایسا اشکال اور اعتراض تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں علمِ حدیث سے دور کا واسطہ بھی نہ ہو۔ حالانکہ علمِ حدیث کا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ احادیث کی قلّت اور کثرت درحقیقت طرق اور اسانید کی قلّت اور کثرت سے عبارت ہے محدثین کی اصطلاح میں سند اور سند کے کسی راوی کے بدلنے سے حدیث کی گنتی اور تعداد بدل جاتی ہے جبکہ نفسِ احادیث کی تعداد چار ہزار چار سو سے زائد نہیں ہے۔

علامہ امیر یمانی رقمطراز ہیں :

ان جملۃ الاحادیث المسندۃ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعنی الصحیحۃ بلا تکرار اربعۃ الاف واربع مائۃ ۔	بلا شبہ وہ تمام مسند احادیث صحیحہ جو بلا تکرار حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے مروی ہیں انکی تعداد چار ہزار چار سو ہے ۔
(توضیح الافکار ص ۶۳)	...

امام ابوحنیفہؒ کا سن ولادت ۸۰ھ اور امام بخاریؒ کا سن ولادت ۱۹۴ھ ہے ۔ دونوں کے درمیان ۱۱۴ سال کے طویل عرصہ میں ایک حدیث کو سینکڑوں بلکہ ہزاروں اشخاص نے روایت کیا ہوگا ۔ تو دونوں کے درمیان چھ لاکھ اور ۷۰ ہزار کا جو فرق ہے وہ دراصل اسانید کی تعداد کا فرق ہے ۔

روایت حدیث میں امام صاحب کا مقام | کون ہے جو انکار کرے ۔ سب جانتے ہیں کہ امام صاحبؒ کا زمانہ " خیر القرون اور صحابہؓ سے قرب کا زمانہ تھا جس میں راویوں کا اس قدر شیوع اور عموم بھی نہیں تھا ۔ امام صاحب کو اپنے زمانہ میں احادیث نبویہ جس قدر اسناد کے ساتھ بھی مل سکتی تھیں ان کو حاصل کر لیا تھا ۔ امام صاحب اپنے زمانے کے تمام محدثین پر ادراک حدیث میں فائق اور غالب تھے ۔ آپ کے معاصر اور مشہور محدث امام مسعر بن کدام فرماتے ہیں :

طلبت مع ابی حنیفۃ الحدیث فغلبنا واخذنا فی الزھد فبرع علینا وطلبنا معہ الفقہ فجاء منہ ما ترون ۔	میں نے امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی وہ ہم سب پر غالب رہے اور زہد میں مشغول ہوئے تو وہ اس میں سب سے بڑھ کر تھے اور فقہ میں ان کا مقام تو تم جانتے ہی ہو ۔

محدث کامل شیخ الاسلام امام عبدالرحمٰن مقری فرماتے ہیں :

وکان اذا حدث عن ابی حنیفۃ قال حدثنا شاھنشاہ ۔ الخ	امام مقری جب ابوحنیفہ سے روایت کرتے تو کہتے ہم سے شہنشاہ نے حدیث بیان کی ۔
(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۵)	...

سنت ، حدیث اور فقہ کو محفوظ کر کے امام صاحب نے امت مسلمہ پر کس قدر احسان کیا امام عبداللہ بن داؤد سے سنئے فرماتے ہیں :

یجب علی اھل الاسلام ان یدعوا اللہ لابی حنیفۃ فی صلواتھم قال وقد ذکر حفظہ علیھم السنن والفقہ ۔	مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی نماز میں امام ابوحنیفہؒ کیلئے دعا کریں اور ذکر فرمایا کہ یہ اس لئے کہ انہوں نے سنت اور حدیث اور فقہ کو مسلمانوں کے لئے محفوظ کیا ہے ۔
(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۲ البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۰۷)	

قاضی ابو یوسف (جن کو یحیٰ بن معین صاحب الحدیث کہتے ہیں) فرماتے ہیں :

" جب ان کی رائے قائم ہو جاتی تو میں حلقہ درس سے اٹھ کر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا اور ان سے مسئلہ کے متعلق حدیثیں دریافت کرتا اور آ کر امام صاحب کی خدمت میں پیش کرتا تو آپ بعض کو قبول کرتے اور بعض کے بارہ میں فرماتے یہ صحیح نہیں ہے۔ میں کہتا کیوں ؟ تو فرماتے۔ کوفہ میں جس قدر علم ہے اس کا میں عالم ہوں "

(سیرت النعمان)

محدثین کی آراء عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔" خدا کی قسم امام ابو حنیفہؒ سوائے حدیث کے رائے کو اختیار کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اس کو امام ابو حنیفہؒ کی رائے نہ کہو بلکہ حدیث کی تفسیر کہو۔"

امام ابو یوسف فرماتے ہیں : " میں نے تفسیر و حدیث کے معاملہ میں امام صاحب سے زیادہ عالم نہیں دیکھا"

سفیان بن عیینہ کا قول ہے ۔" امام ابو حنیفہؒ حدیث میں اعلم الناس ہیں۔ یحیٰ بن آدم کہتے ہیں : "امام صاحب نے اپنے زمانہ کے تمام محدثین کی آراء کو یاد کر رکھا تھا۔ حسن بن زیاد فرماتے ہیں : امام ابو حنیفہؒ نے چار ہزار احادیث روایت کی ہیں دو ہزار حماد سے اور دو ہزار دیگر مشائخ سے ۔

ابن حجر مکی فرماتے ہیں : " امام صاحب نے کبھی بھی اپنے مسلک کیطرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلا اشارہ مناہی کے دعوت نہیں دی۔ (مقدمہ اوجز المسالک متفرقاً)

حدیث میں امام صاحب کی تصانیف متقدمین میں لائق تلامذہ اپنے شیوخ کی جن تعلیمات کو دوران سبق ہی زیر تحریر لے آتے تھے وہ تصانیف ان کے شیوخ ہی کیطرف منسوب ہوتی تھیں جیسے ابن دقیق العید کی " احکام الاحکام " جس کو اُن کے لائق شاگرد قاضی اسمٰعیل نے تحریر کیا ہے۔ امام صاحب نے اپنے بیان کردہ احادیث (جن کو آپ کے لائق اور صد قابل افتخار تلامذہ قاضی محمد یوسف، محمد بن حسن الشیبانی ، زفر بن ہذیل، اور حسن بن زیادہ نے " حدثنا اور اخبرنا " کے صیغوں کیساتھ قید تحریر میں لایا ہے۔ کے مجموعہ کا نام " کتاب الآثار" رکھا جس میں زیادہ شہرت اور مقبولیت امام محمد کے نسخہ کو حاصل ہوئی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

والموجود من حدیث ابی حنیفہ مفردا ان ھو کتاب الآثار التی رواہ محمد بن الحسن الشیبانی ۔	اور اس وقت امام اعظم کی احادیث میں سے " کتاب الآثار " موجود ہے جسے محمد بن حسن نے روایت کیا ہے۔

(تعجیل المنفعہ برجال الائمہ الاربعہ ص۴)

...

ابو زہرہ نے امام صاحب کے مسانید کی تعداد بالتفصیل ۱۵ بتائی ہے۔ (ابو زہرہ ۱۹۲)

مسانید امام اعظم پر مختلف حضرات نے کام کیا۔ علامہ صدر الدین بن موسیٰ (متوفی ۶۵۰ھ) نے ترتیب شیوخ

اور علامہ سندی نے سنن اور ابواب فقہ کے طرز پہ مرتب کیا۔

امام صاحب کے مسانید کی شروع میں شرح ملا علی قاری اور تنسیق النظام از ابوالحسن اسرائیلی سنبھلی زیادہ مشہور ہیں۔ (ابوزہرہ)

اس کے علاوہ امام ابی المؤید محمد بن محمود خوارزمی (متوفی ۶۶۵ھ) نے تمام مسانید کو جمع کر کے ملتِ حنفیہ پہ بہت بڑا احسان کیا۔

خلاصہ یہ کہ ماننے والوں نے تو مانا اور خوب مانا۔ نہ ماننے والوں کیلئے آج بھی چیلنج ہے اور انشاء اللہ جب بھی میدانِ تحقیق میں قدم رکھا جائے گا۔ تو امام صاحب کی صرف املائی کتابوں میں ۷۰ ہزار سے زیادہ حدیثیں موتیوں کی طرح بکھری پڑی نظر آئیں گی۔
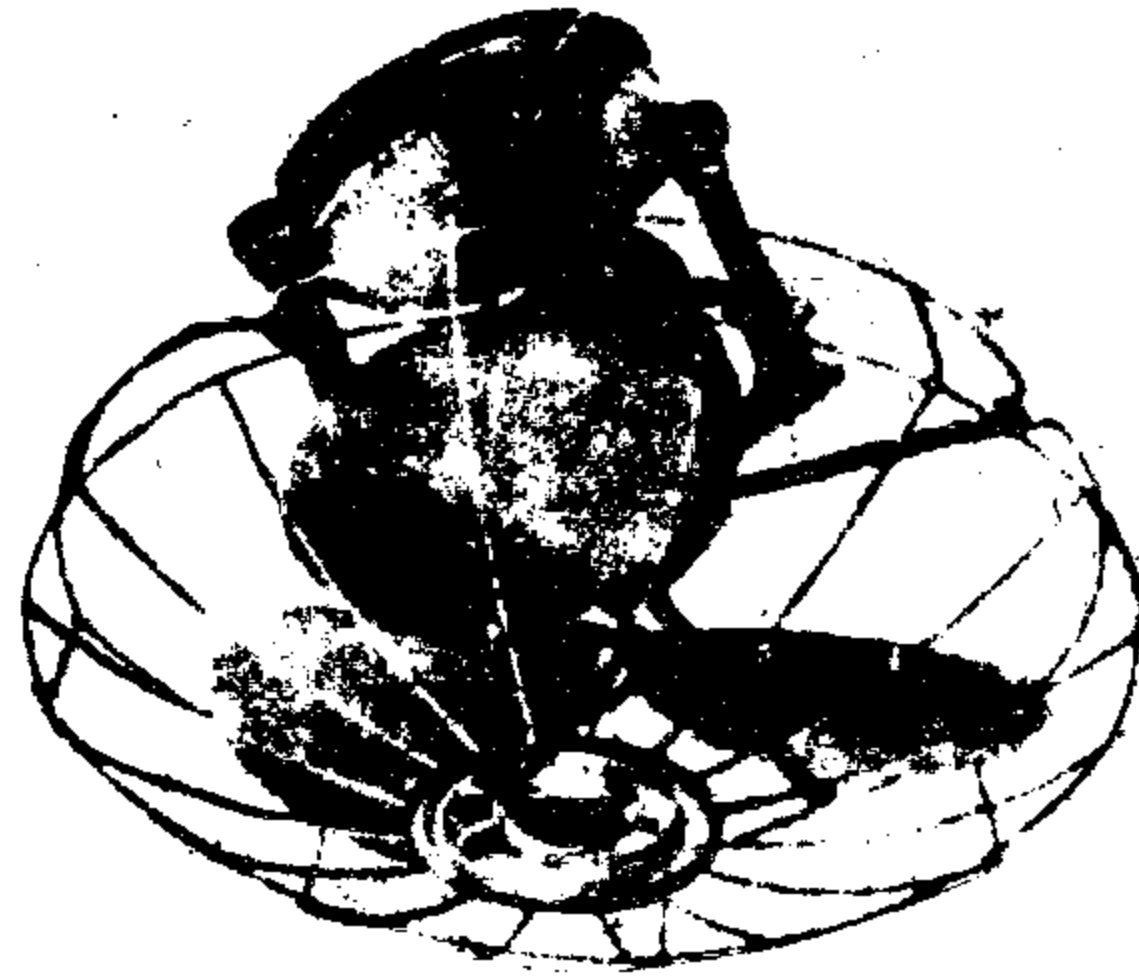
جناب محمد نصراللہ خان صاحب خازن

علامہ سید جمال الدین افغانیؒ
تحریک آزادی اور اتحاد عالم اسلامی

(۵ مارچ ۸۰ء کو پاکستان نیشنل سنٹر گجرات میں پڑھا گیا)

"تاریخ شاہد ہے کہ سرزمین افغانستان انتہائی مردم خیز خطہ ہے۔ یہاں بڑے بڑے عالم و فضل۔ شاعر و ادیب۔ فاتح اور جرنیل پیدا ہوئے۔ حکیم سنائی۔ بوعلی سینا۔ ابوریحان البیرونی۔ شیخ علی ہجویری (ثم لاہوری) محمود غزنوی ـــــ شہاب الدین غوری اور شاہ ابدالی اسی سرزمین کے فرزند ہیں حتیٰ کہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ بھی افغانی النسل ہیں زنیاان پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ صدیاں گزر گئی ہیں۔ انقلابات زمانہ نے ماحول اور قدریں بدل کر رکھ دی ہیں لیکن ان روشن ستاروں کی تابانیوں میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ دنیا ان کی عظمت کی اب بھی قائل ہے۔

افغانستان کے انہی روشن ستاروں اور قابل فخر ہستیوں میں علامہ سید جمال الدین افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں۔

ولادت اور خاندان | سید جمال الدین بن سید صفدر کنری ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ء) میں افغانستان کے مشرقی صوبہ کنڑ کے قصبہ اسد آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت سید عبد الجبار ستھانوی والی ریاست امب سے جاکر ملتا ہے۔ یہ سید عبد الجبار ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک کے روح رواں اور حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کے رفیق کار تھے۔

تعلیم | مولانا سید جمال الدین افغانیؒ کے والد کا انتقال ۱۲۷۴ھ (۱۸۵۷ء) میں ہوا۔ آپ نے اپنی دینی تعلیم برصغیر پاک و ہند میں مکمل کی یہیں آپ نے انگریزی زبان بھی سیکھی۔ اور اس کے توسط سے آپ نے جدید علوم سے آشنائی حاصل کی۔ برصغیر پاک و ہند کی پہلی اسلامی تحریک کے علمبرداران حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی شہادت ۱۲۴۶ھ میں ہوئی تھی۔ اور علامہ افغانی کی ولادت اس کے چھ سال بعد ۱۲۵۴ھ میں ہوئی۔ اور آپ کے والد ماجد کا انتقال ۱۲۷۴ھ (۱۸۵۷ء) میں ہوا۔ اس طرح اس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔ آپ کے زمانہ تعلیم میں سید احمد شہید کی تحریک جہاد کی صدائے بازگشت بھی موجود تھی۔ اور اس کے بعد ۱۲۷۴ھ۔

(۱۸۵۷ء) کی تحریک آزادی ہند کی ناکامی کے اثرات بھی آپ کے سامنے تھے ان حالات و حوادث سے آپ کا متاثر ہونا ایک فطری امر تھا۔ چنانچہ آپ برصغیر پاک و ہند سے ایک انقلابی ذہن لے کر نکلے تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کیا۔ اور واپسی پر افغانستان تشریف لے گئے۔ افغانستان میں شاہ افغانستان امیر دوست محمد خان کے دربار میں کسی عہدہ پر مامور ہوئے۔ امور مملکت میں براہ راست دخیل ہونے کے بعد آپ کو اپنی انقلابی زندگی کے آغاز کا موقعہ ملا۔

قبل اس کے کہ آپ کے سامنے آپ کی انقلابی زندگی کی تصویر رکھی جائے۔ مختصراً اس وقت کے عالم اسلام کا خاکہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ آپ یہ اندازہ کر سکیں کہ علامہ سید جمال الدین افغانی نے کن حالات میں کیا کام کیا؟

عالم اسلام کی سیاسی حالت

۱۔ برصغیر پاک و ہند (۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء) میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے احیاء اسلام کی عظیم جدوجہد میں بالاکوٹ کے مقام پر جام شہادت نوش کیا۔ اس ناکامی کے بعد تحریک جہاد نے تحریک آزادی وطن کی شکل اختیار کی۔ اور ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد برصغیر پاک و ہند پر مکمل طور پر برطانوی راج قائم ہو گیا۔

۲۔ ترک ترک کی عثمانی خلافت انگریزوں اور فرانسیسیوں کی ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں مسلسل روبہ انحطاط تھی۔ اور یورپ کا "مرد بیمار" بنی ہوئی تھی۔ اور انگریزوں ہی کی سازش سے پورا جزیرہ نمائے عرب دو حصوں میں بٹ چکا تھا۔ نجد و حجاز (موجودہ سعودی عرب) میں شریف حسین اور اُردن میں امیر عبداللہ عثمانی خلافت کی ماتحتی میں خودمختار ہو چکے تھے۔

۳۔ عراق اردن کے ساتھ عراق پر بھی خلافت کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی۔

۴۔ نجد و حجاز میں شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی تحریک احیائے دین کے نتیجہ میں ۱۲۰۲ھ یعنی اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں آل سعود کی حکومت قائم ہوئی۔ اور سعودی عرب پوری طرح خلافت عثمانی سے آزاد ہو گیا۔ اور تقریباً ایک صدی تک خانہ جنگی کا شکار رہا۔

۵۔ مصر ۱۸۰۵ء میں مصر میں خلافت عثمانی کی طرف سے محمد علی خدیو بطور گورنر مقرر ہوا جس نے ۱۸۴۰ء میں خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ ۱۸۷۰ء میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی سازش سے اس کا لڑکا خدیو توفیق مصر کا حکمران بنا جس کی حیثیت انگریزوں کے آلہ کار کی تھی۔

بہ الفاظ دیگر پورا عالم اسلام خانہ جنگی اور انتشار و افتراق کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ہوس اقتدار کے نشہ میں

مسلمان ہی مسلمانوں کا گلا کاٹ رہے تھے۔ اور غیر ملکی استعمار سب جگہ اپنے پاؤں جماتا چلا جا رہا تھا۔

سید افغانی کی انقلابی زندگی | یہ تھے وہ حالات جن میں سید جمال الدین افغانی ۲۶ سال کی عمر میں شاہ افغانستان امیر دوست محمد خان کے دربار میں شامل ہوئے۔

کابل میں | دوست محمد خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد اعظم خان حکمران بنا۔ اور جمال الدین افغانی اس کے وزیر مقرر ہوئے۔ لیکن جلد ہی خانہ جنگی رونما ہوئی۔ اور افغانستان پر امیر شیر علی خاں نے قبضہ کر لیا۔ وہ علامہ جمال الدین افغانی کی ہر دلعزیزی اور غیر معمولی صلاحیتوں سے خائف تھا۔ اس لئے انہیں اپنی راہ کا کانٹا سمجھ کر راستہ سے ہٹانے پر تلا ہوا تھا۔ آپ نے امیر افغانستان کے یہ تیور بھانپ لئے اور سرکاری منصب سے از خود علیحدگی اختیار کر لی سید افغانی نے اپنے انقلابی نظریات کی وسیع نشر و اشاعت کے لئے ایک جریدہ "شمس النہار" نکالنا شروع کیا۔ جس میں عوام کو اسلامی حکومت کے قیام اور اتحاد عالم اسلامی کی دعوت دینی شروع کی۔ لیکن آپ کے پیغام کی مقبولیت اور عوام میں آپ کی بڑھتی ہوئی پذیرائی سے حکومت کے عتاب کا اندیشہ بھی بڑھ گیا۔ بالآخر افغانستان میں حالات کو ناسازگار پا کر آپ نے افغانستان کو خیر باد کہا۔ اور ۱۸۶۹ء میں کلکتہ سے ہوتے ہوئے قاہرہ (مصر) پہنچے۔

مصر میں | اب آپ نے اپنی دعوت اتحاد عالم اسلامی اور بیداری مسلمانان عالم کا مرکز مصر کو بنایا۔ مختلف علمی مجلسوں میں دانشور طبقہ کو خطاب کیا۔ ملک کے معروف علمی ادبی رسائل و جرائد میں مضامین لکھے۔ تھوڑے ہی عرصے میں مصر میں آپ کی تحریر و تقریر کی دھاک بیٹھ گئی۔ اور آپ کے خیالات و نظریات کو عوام میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ جن سے متاثر ہو کر عثمانی خلیفہ نے آپ کو قسطنطنیہ آنے کی دعوت دی۔

ترکی میں | ۱۸۷۰ء میں آپ قسطنطنیہ چلے گئے۔ لیکن جلد ہی آپ کی علمی فضیلت اور غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے خلافت عثمانیہ کا "شیخ الاسلام" آپ کا مخالف بن گیا۔ ترکی پریس میں آپ کے خلاف اتنی شدید مہم چلائی گئی کہ مجبوراً آپ کو دوبارہ مصر جانا پڑا۔

مصر میں دوبارہ | ۱۸۷۱ء میں آپ دوبارہ مصر پہنچے۔ مصر میں عوامی، علمی اور سرکاری حلقوں نے آپ کا نہایت شاندار استقبال کیا گیا۔ حکومت کی طرف سے آپ کو جامعہ ازہر میں عربی زبان و ادب، فقہ، تصوف اور فلسفہ کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔ کسی غیر عرب عالم کا جامعہ ازہر جیسے علوم و فنون کے مرکز میں عربی زبان و ادب اور فقہ و فلسفہ کا پروفیسر کی حیثیت سے تقرر اس کے لئے بہت بڑا اعزاز اور اس کے علم و فضل کا واضح اعتراف تھا۔ اس مرتبہ مصر میں آپ کا قیام آٹھ سال تک رہا۔ تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے باوقار اور آزاد صحافت کی بنیاد رکھی اور اس میدان میں بھی اہل زبان سبقت لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ آپ کی انقلابی تحریک اور انقلابی نظریات سے خدیو مصر اور جاہ پرست مصری علما کو خطرہ لاحق ہوا۔ چنانچہ

برطانوی استبداد کی خواہش پر انہیں مصر سے نکال دیا گیا۔ لیکن آپ کے نظریات اور آپ کی تحریک کی روشنی میں مصر میں اعرابی پاشا اور مفتی محمد عبدہ نے جہاد جاری رکھا۔ حتیٰ کہ برطانوی فوج حرکت میں آئی۔ اور دونوں کو جلا وطن کر دیا گیا۔

ہندوستان۔ لندن اور پیرس میں | مصر سے نکل کر آپ برصغیر پاک و ہند میں آئے۔ حیدر آباد دکن میں مختصر قیام کیا۔ بعد ازاں ۱۸۸۲ء میں آپ لندن تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ پھر وہاں سے پیرس پہنچے۔ پیرس میں رہ کر آپ نے مشرقِ وسطیٰ میں جذبہ حریت و اتحادِ اسلامی بیدار کرنے کے لئے ایک ہفت روزہ "عروۃ الوثقیٰ" جاری کیا۔ پیرس میں آپ کا قیام چار سال تک رہا۔

ایران میں | ۱۸۸۹ء میں آپ کو شہنشاہِ ایران نے وزارتِ عظمیٰ کی پیش کش کی۔ جسے آپ نے قبول کر لیا۔ چنانچہ آپ طہران گئے۔ وزیر اعظم بنے۔ لیکن شومئی قسمت کہ وہاں بھی آپ کی غیر معمولی صلاحیتیں اور عوام میں آپ کی انقلابی شخصیت کی ہر دلعزیزی آڑے آئی۔ آپ کے خلاف محاذ بنا اور وہاں سے دل برداشتہ ہو کر آپ بصرہ (عراق) چلے گئے۔ بصرہ سے دوبارہ ترکی۔ لیکن افسوس ہے کہ آپ کے اسلامی اور انقلابی نظریات کی وجہ سے ہر ملک آپ کی شخصیت سے خائف اور لرزاں ہو جاتا۔ لہٰذا آپ جہاں بھی گئے وہاں سے حکمران طبقہ نے آپ کو جلا وطن کر کے نکالا۔

وفات | ۹ر مارچ ۱۹۰۰ء کو باسٹھ سال کی عمر میں یہ نابغۂ روزگار ہستی اس عالم فانی سے رخصت ہو گئی۔ آپ کی میت غریب الوطنی میں استنبول میں ہوئی۔ بعد میں ظاہر شاہ، شاہِ افغانستان نے حکومت ترکی سے آپ کا جسد خاکی حاصل کر کے اپنے وطن افغانستان میں سپرد خاک کیا۔

آپ کی عبقریت | سید جمال الدینؒ ایک عبقری زمانہ اور عہد آفرین شخصیت تھے۔ فارسی آپ کی مادری زبان تھی۔ لیکن عربی۔ ترکی۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ روسی اور اردو زبان پر بھی آپ کو کامل عبور حاصل تھا۔ آپ کو اسلامی علوم (فقہ، حدیث اور تفسیر) فلسفہ۔ ریاضیات اور سیاسیات پر ماہرانہ دست گاہ حاصل تھی۔ آپ ایک شعلہ نوا مقرر اور آتش رقم مصنف اور ادیب تھے۔

اگرچہ آپ نے اپنی تعلیم برصغیر پاک و ہند میں غیر معروف علماء سے کی تھی۔ جو عرب نژاد نہ تھے۔ لیکن آپ کو عربی زبان و ادب پر اتنا عبور حاصل تھا کہ جب آپ مصر پہنچے تو چالیس دن کے اندر اندر مصر میں آپ کی فصاحت و بلاغت اور طلاقت لسانی کی دھاک بیٹھ گئی۔ علماء و فضلا کا آپ کے گرد ہجوم ہونے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۸۷۱ء میں جب آپ دوبارہ مصر پہنچے تو جامعہ ازہر میں آپ کو عربی زبان و ادب اور فلسفہ و حکمت کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔

اسی طرح جب آپ نے پیرس میں مشہور فیلسوف رینان اور لندن میں لارڈ سالبری سے ملاقات کی تو آپ

سے فرانسیسی زبان میں نہایت فاضلانہ گفت گو کی۔ حالاں کہ آپ نے فرانسیسی زبان اسی طرح سیکھی کہ مصر میں ایک شخص سے فرانسیسی الف با لکھوائی۔ اور بازار سے عربی میں لکھی ہوئی فرانسیسی زبان کی ابتدائی ریڈر خرید لی۔ اور اسی کی مشق سے چند روز میں عالمانہ صلاحیت پیدا کر لی۔

مشہور ہے کہ جب پیرس میں آپ سے روسی سفیر نے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے دو ہفتہ کے بعد کی تاریخ دے دی۔ اور خود بازار سے فرانسیسی زبان میں روسی زبان کا ابتدائی قاعدہ خرید لائے۔ اور کتب فروش سے وعدہ لے لیا کہ وہ ایک ہفتہ بعد کسی روسی سے ان کا تعارف کرائے گا۔ ایک ہفتہ تک آپ اسی قاعدہ سے روسی زبان کی مشق کرتے رہے۔ بعدازاں کتب فروش کے ذریعے ایک روسی سے تعارف ہو گیا۔ اور ہفتہ بھر اس سے روسی میں تبادلہ خیال کی مشق کی۔ جب پورے دو ہفتے بعد آپ روسی سفیر سے ملے تو فصیح روسی زبان میں گفت گو کر رہے تھے۔

آپ کے علم و فضل کا اعتراف | مشہور فرانسیسی فلاسفر رینان کو آپ سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ اس ملاقات کے بعد اس نے آپ کی علمی فضیلت اور عبقریت کی شہادت ان الفاظ میں دی ہے:-

"میں جب اس شخص (جمال الدین افغانی) سے باتیں کر رہا تھا تو اس کے افکار کی فضیلت اور اظہار حقیقت کی جرأت دیکھ کر مجھے خیال ہوا میں اس وقت ان مشاہیر عالم میں سے کسی ایک کو مخاطب کر رہا ہوں جو دنیا کے گزشتہ علمی زمانوں میں گزر چکے ہیں۔ اور جن سے محض تاریخ کے ذریعہ ہم نے واقفیت حاصل کی ہے۔

بس گویا ابن سینا یا ابن رشد یا ان حکماء عظام میں سے کسی حکیم کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا جنہوں نے فکر انسانی کو جہل و اوہام کے قیود سے نجات دلانے کے لئے تاریخ عالم کی پانچ صدیوں تک اپنی جرأت مندانہ جدوجہد جاری رکھی تھی ....."

آپ کی جدوجہد کے اثرات | آپ کی جاری کردہ تحریک آزادی اور تحریک اتحاد عالم اسلامی سارے عالم اسلام میں گہرے اثرات چھوڑ گئی۔ آپ کے بعد مختلف اسلامی ممالک میں مختلف شخصیتوں نے اس انقلاب انگیز تحریک کو آگے بڑھایا۔ مثلاً

مصر میں | سعد زغلول پاشا اور ان کی پارٹی حزب الوفد نے آزادی کی تحریک چلائی۔ مفتی محمد عبدہٗ اور اعرابی پاشا اتحاد اسلامی کے داعی بنے۔ بعدازاں شیخ حسن البنا شہید اور ان کی جماعت اخوان المسلمون اس محاذ پر سینہ سپر ہوئے۔

فلسطین میں | حضرت مفتی امین الحسینیؒ اس دعوت کو لے کر اٹھے۔ اور ۱۹۳۱ء میں مؤتمر عالم اسلامی کی تشکیل کی۔ خود اس کے صدر بنے اور ڈاکٹر محمد اقبال کو اس کا نائب صدر منتخب کیا گیا۔

ترکی میں | خلافت کے خاتمہ کے بعد کمال اتاترک نے ایک آزاد اور لادینی حکومت قائم کی۔ لیکن بعدازاں علامہ بدیع الزمان سعید نورسیؒ اسلامی نظام اور اتحاد عالم اسلامی کے داعی بن کر ابھرے۔ آج کل یہاں ملی سلامت پارٹی انہی کے نقوش پا پر چل رہی ہے۔

انڈونیشیا میں اس وقت ڈاکٹر محمد ناصر اور ان کی پارٹی مسجدی پارٹی اتحادِ اسلامی کی دعوت دے رہی ہے۔

برصغیر پاک و ہند سرسید احمد خان، مولانا محمد علی جوہر، علامہ عنایت اللہ مشرقی اور ان کی خاکسار تحریک، علامہ اقبال، قائد اعظم محمد علی جناح اور ان کی جماعت مسلم لیگ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنے اپنے انداز اور اپنے اپنے وسائل کے ساتھ اس جدوجہد میں شریک ہوئے۔

پاکستان میں اتحادِ عالم اسلامی کا علم سید مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے بلند کیا۔ مکہ میں رابطہ عالم اسلامی کی تشکیل میں بھرپور حصہ لیا۔ اس کے بانی ممبر بنے اور زندگی کے آخری سانس تک اس کے ممبر رہے۔ اسی طرح مولانا محمد یوسف بنوریؒ اس کے ممبر بنے اور آخری دم تک ممبر رہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ اتحادِ عالم اسلامی کی یہ تحریک مسلسل اپنے منطقی ہدف کی طرف گامزن ہے فلسطین میں مؤتمر عالم اسلامی اور مکہ میں رابطہ [illegible] اسلامی اسی مقصد کے لئے کام کر رہی ہیں۔

سرکاری سطح پر بھی اتحادِ عالم اسلامی کی جدوجہد کا آغاز ہو چکا ہے۔ اسلامی سیکرٹریٹ عالم وجود میں آچکا ہے۔ اور اس کی نگرانی اور رہنمائی میں اب ۴۰۔ اسلامی ممالک کا اتحاد زندہ و جاوید حقیقت بنتا جا رہا ہے۔ اب تک رباط۔ جدہ اور لاہور میں اسلامی سربراہی کانفرنسیں اور جدہ۔ کراچی۔ ڈاکار۔ جکارتہ اور اسلام آباد میں اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کی کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں۔

ان کانفرنسوں کے فیصلوں کے مطابق مسلم عالمی بنک۔ بین الملّی اسلامی ترقیاتی ادارہ۔ اسلامی نیوز ایجنسی اور بین الاسلامی ایوانِ صنعت و تجارت قائم ہو چکے ہیں۔ اور کام کر رہے ہیں۔

مستقبل قریب میں انشاء اللہ توقع ہے کہ مشترکہ دفاعی صنعت کا منصوبہ اور مشترکہ اسلامی فوج کا وجود بھی عمل میں آجائے گا۔

یہ ہیں نتائج اس عبقری زمانہ کی مسلسل جدوجہد کے جو ۸۰ سال قبل ازیں اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

از مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی (ثانی)
نبیرہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی (مرحوم)
مہتمم دار العلوم حبیبیہ۔ لدھیانہ

علماء لدھیانہ اور فتنۂ قادیانیت

فتاویٰ قادریہ ——— اور

——— تکفیر مرزا غلام احمد قادیانی

برصغیر کے مشہور عالم و مجاہدین لدھیانہ کے خاندان نے ہمیشہ ملک و ملت کی بروقت رہنمائی، تدبر، سیاسی علمی مذہبی سوجھ بوجھ کو ملک کے ہر حصہ میں ہر طبقۂ خیال کے لوگوں نے تسلیم کیا۔ علماء لدھیانہ نے ہمیشہ وقت کی نبض کو صحیح طور پر جانچا اور پہچانا اور صحیح رہنمائی کی۔ بدترین ماحول اور ناسازگار حالات میں بھی پوری ثابت قدمی سے ملت اسلامیہ کی رہنمائی کی۔ پوری جرأت و بہادری کے ساتھ اعلاء کلمۃ اللہ اور اعلان حق کو انہوں نے اپنی منزلِ مقصود سمجھا۔ تکفیر قادیانی۔ راج پال ایجی ٹیشن۔ تحریک مدح صحابہ اور تحریک کشمیر جیسی تحریکیں اسی خاندان کے فرد فرید رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمان کی رہنمائی میں چلائی گئیں۔ جو عظیم قربانیوں کے بعد کامیابیوں سے ہمکنار ہوئیں۔ یہ اس طرح کی رہنمائی تھی کہ مولانا حبیب الرحمن نے اپنی فہم و فراست سے ہر طبقۂ خیال کے لوگوں کو مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم پر لاکر جمع کر دیا جس سے پورے برصغیر میں ملت اسلامیہ میں اتحاد بڑھا۔ اور مسلمان قوم قومی طور پر مضبوط سے مضبوط تر ہوئی۔

پیش نظر کتاب فتاویٰ قادریہ وہ مایہ ناز کتاب ہے جو تیرھویں صدی ہجری کے اوائل میں شائع ہوئی جس میں تاریخی فتاویٰ شائع کئے گئے۔ جو علماء لدھیانہ کی علمی قابلیت، مذہبی سمجھ بوجھ اور وقت کے مطابق اسلام کی صحیح تصویر کو پیش کیا گیا۔ لدھیانہ میں یہ خاندان مشہور محدث اور قطب عالم شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہے۔ اس خاندان نے علماء کی ایک بڑی جماعت کو پیدا کیا جس میں محدث، مفکر، حافظ، قاری، واعظ، مقرر اور رشد و ہدایت کی گدی کو مزین کرنے والے حضرات موجود تھے جن سے ملت اسلامیہ کو بے پناہ فیض پہنچا۔ اور سینہ سپر ہو کر ملت اسلامیہ

کے لئے ہر محاذ پر رہنمائی کرتے ہوئے نظر آتے۔ علماء لدھیانہ کا شمار برصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاگردوں کی صف اول میں نظر آتا ہے۔ جن سے تاریخ کے اوراق بھرپور ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی ہندوستان کی مذہبی اسٹیج پر ایک مبلغ اسلام اور مناظر دین کی نقاب اوڑھ کر ۱۳۰۱ھ میں نمودار ہوئے۔ انگریز مرزا کی اس تحریک کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ انگریزی دان طبقہ اس کے ساتھ تھا۔ اس پرخطر دور میں رئیس الاحرار کے آباؤ اجداد نے ملت اسلامیہ کی رہنمائی کی۔ مرزا کے صحیح خد وخال کو پہچانا۔ اور اپنی روحانی وایمانی فہم وفراست سے مرزا کی ظاہری شکل وصورت دیکھ کر تکفیر کا فتوی دے دیا۔ فتوی دینے والے فتاوی قادریہ کے مصنف رئیس الاحرار کے دادا حضرت مولانا شاہ محمد صاحب اور ان کے حقیقی بھائی حضرت مولانا شاہ محمد عبد اللہ صاحب اور حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

جس وقت یہ فتوی دیا گیا اس وقت عموماً علماء عالم سکوت اور توقف میں تھے۔ یہ فتوی دے کر علماء لدھیانہ نے اپنی انفرادیت اور صحیح تدبر، فہم وفراست اور جرأت کا ثبوت دیا۔ ان حضرات نے قیام دین اور رضا الٰہی کے لیے رخصت کو چھوڑ کر عزیمت پر عمل کیا۔ جس کی اس وقت اشد ضرورت تھی۔ چونکہ فتوی بروقت اور صحیح تھا۔ لہذا دنیا بھر کے علماء نے اس فتوی کی تصدیق کی۔

جن علماء نے اس فتوی سے وقتی طور پر اتفاق نہیں کیا تھا۔ بالآخر انہیں بھی تکفیر مرزا غلام احمد قادیانی کے فتوی کی تصدیق کرنی پڑی۔ خوشی کا مقام ہے کہ آج دنیائے اسلام مرزائیوں کو خارج از اسلام قرار دے دیا۔ اور حکومت پاکستان نے اس میں سب سے بڑا رول ادا کیا۔ اس عظیم فتنہ سے ملت اسلامیہ بیدار ہوئی۔ اس کا ثواب علماء لدھیانہ کے اکابرین کو ہمیشہ ہمیشہ ملتا رہے گا۔

<u>سو سال قبل دیوبند کا جلسہ دستار بندی پر تکفیر قادیانی</u> ۱۴ جمادی الاول ۱۳۰۱ھ دار العلوم دیوبند میں دستار بندی کا ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں ملک کے ہر حصہ سے علماء نے شرکت کی۔ مسئلہ تکفیر مرزا غلام احمد قادیانی کو علماء لدھیانہ نے اس اجلاس میں اٹھایا۔ اور علمی دلائل سے ثابت کر دیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تکفیر کا فتوی درست ہے۔ اس اجلاس میں سخت بحث ومباحثہ کے بعد علماء لدھیانہ کے اس تحقیقی فتوی پر سبھی علما کو اتفاق کرنا پڑا۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس فتوی سے پورا پورا اتفاق کیا۔ اور اپنی گزشتہ تحریرات پر معذرت ظاہر فرمائی۔ اسی طرح علماء حرمین شریفین نے بھی اس فتوی کی تصدیق کی۔ عالم اسلام کا مسلمان اس فتنہ سے متنبہ ہو گیا اور ختم نبوت کا عقیدہ ابھر کر عوام کے سامنے آ گیا۔

فتاوی قادریہ کے اصل نسخہ کو اب ضرورت دینی کے تحت آفسٹ پر شائع کیا جا رہا ہے۔ تاکہ آنے والے علماء کی نسلیں اور تاریخ کے طالب علم اس حقیقت کو جان سکیں کہ فتنہ قادیانیت کی ابتداءً تکفیر کا علم کس خاندان

اور کن اکابر نے بلند کیا۔ اور اگر یہ فتویٰ علماء لدھیانہ کے اکابر نے دیا اور انہی حضرات کو اصابت رائے، جرأت و بہادری کا اجر و ثواب ملے گا۔ کیونکہ ان حضرات کا یہ عمل صرف رضا الٰہی اور دین کے قیام کے لئے تھا۔

قادیانیت کے بارے میں جواہر لال نہرو کے نام مولانا لدھیانوی کا خط | قادیانیت کے خلاف پاکستان میں تحریک کے دوران بھارتی وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے ایک بیان دیا جو اس مسئلہ کے بارے میں ان کی لاعلمی اور غلط فہمی کا غماز تھا۔ اس موقع پر رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان نے نہرو آنجہانی کو حسب ذیل خط لکھا۔

محترم گرامی جناب پنڈت جواہر لال صاحب نہرو

تسلیمات! آپ کا وہ بیان میری نظر سے گزرا جس میں آپ نے فرمایا کہ پاکستان میں ختم نبوت کی تحریک تنگ نظری پر مبنی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کے بیان کا یہ ترجمہ صحیح ہے یا نہیں۔ مجھے حیرت تو اس بات پر ہے کہ آپ نے ایک خالص مذہبی معاملے میں کس طرح اظہار خیال فرمایا۔ یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ کوئی شخص کسی جماعت میں اس وقت تک نہیں رہ سکتا جب تک کہ وہ اس جماعت کے بنیادی عقائد پر یقین نہ رکھتا ہو۔ مثلاً کانگرس میں وہ شخص نہیں رہ سکتا جب تک کہ وہ اس کے بنیادی عقائد پر یقین نہ رکھتا ہو۔ مثلاً کانگرس میں وہ شخص نہیں رہ سکتا جو اس کی جماعتی ڈسپلن کو نہ مانتا ہو۔ اسی بنا پر بہت سے سچے اور پکے کانگرسی کانگرس سے الگ کر دئے گئے۔ چونکہ وہ کانگرس نظام کے پابند نہیں رہے حالانکہ وہ گاندھی جی کے بتائے ہوئے آدرشوں کو صحیح سمجھتے ہیں۔ مگر صرف ڈسپلن نہ ماننے کی وجہ سے وہ کانگرس سے الگ کر دئے گئے۔ اس لئے اسلام میں ہر وہ شخص بطور مسلمان کے رہ سکتا ہے جو اس کے بنیادی عقائد پر یقین رکھے۔ اسلام کسی فرقہ یا سوسائٹی کا نام نہیں۔ بلکہ چند عقائد کا نام ہے جو ان کو سچے دل سے قبول کرے۔ اور ان کا اقرار کرے۔

ختم نبوت کا مسئلہ کوئی پاکستان کا نجی مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ تمام عالم اسلام کا بنیادی اور مشترک مسئلہ ہے جو اسلام کے چار بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کی جائے۔

۲۔ مرنے کے بعد آخرت کا یقین رکھنا۔

۳۔ تمام پیغمبروں پر ایمان لانا۔ وہ خواہ دنیا کے کسی حصہ پر تشریف لائے ہوں۔

۴۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا آخری پیغمبر ماننا۔ اور ان کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔

جو شخص ان عقیدوں میں سے کسی ایک کا بھی منکر ہوگا۔ وہ اسلام سے قطعی طور پر خارج سمجھا جائے گا۔ اور اسے مسلمانوں کی سوسائٹی میں مسلمان کہلا کر رہنے کا حق ہوگا۔ جو شخص مسلمان ہوتا ہوا کسی معنی میں بھی اپنے آپ کو پیغمبر یا نبی کہے وہ اسلام کا باغی سمجھا جائے گا۔ اور قانون اسلام میں وہ کافر اور مرتد قرار دیا جائے گا۔ قادیانیوں

کی جماعت ایک ایسی جماعت ہے جو ہمیشہ اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس بنا پر غیر مسلم سمجھتی ہے کہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتے۔ چنانچہ قادیانیوں نے مسٹر جناح اور لیاقت علی کے نماز جنازہ میں اسی بنا دپر شرکت نہیں کی کہ وہ مسٹر جناح اور لیاقت علی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ اور وزارتی کمیشن کے سامنے بھی قادیانیوں نے اپنا مطالبہ پیش کیا تھا۔ کہ ان کو ہندوستان میں اقلیت تسلیم کیا جائے۔ اور تقسیم ہند کے دوران انہوں نے اپنی آزاد حکومت بحیثیت اقلیت کے قائم کرنے کی کوشش کی تھی جس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ یہ جماعت (قادیانی) دانستہ اور ارادۃً فرقہ واریت کو پھیلاتی ہے۔ اور پچھلے پانچ برسوں میں مسلمان عوام سے اسلام کے نام پر قوت حاصل کرتے رہے ہیں۔ اور مزید کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے اس سے اختلاف کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ وہ جو کچھ مانگیں وہ پاکستان کے ایک شہری کی حیثیت سے مانگیں نہ کہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے اسلام کو استعمال کریں۔ میری یہ ہرگز خواہش نہیں ہے کہ آپ تحریک کی حمایت کریں۔ لیکن میری یہ استدعا ضرور ہے کہ آپ یہ کہہ کر ختم نبوت کی تحریک تنگ نظری پر مبنی ہے دنیائے اسلام کے مسلمانوں کو دکھ نہ پہنچائیں۔

حبیب الرحمان لدھیانوی　۲۸-۳-۵۳ء

علماء لدھیانہ کی خدمات حضرت شاہ محمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دونوں بھائی دارالعلوم دیوبند سے نہ توفیض یافتہ تھے اور نہ منتسبین دارالعلوم میں سے تھے۔ یہ سب حضرات اپنے والد محترم مشہور محدث حضرت شاہ عبدالقادر لدھیانوی اور دیگر اساتذہ کے شاگرد تھے۔ جن کی ولی اللہی نسبت بہت زیادہ قریب سے حاصل تھی۔ وہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نہ صرف شاگرد ہی تھے بلکہ ولی اللہی سکول کے علمی، روحانی چشم و چراغ تھے اسی لئے علماء لدھیانہ کا خاندان ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں پیش پیش رہا۔ اور انگریزوں سے دست بدست جنگ کی۔ یہی دینی، مذہبی جذبہ وراثت کے طور پر پورے جوش و خروش کے ساتھ اس خاندان میں مستقل چلا آتا رہا۔ اسی لئے حضرت شاہ صاحب عبدالقادر صاحب کے اخلاف نے رد قادیانیت کے لئے فوری قدم اٹھایا۔ اور پرجوش حصہ لیا۔

شاہ عبدالقادر صاحب کے پوتے رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمان لدھیانویؒ نے ہر طرف سے اپنی توجہ ہٹا کر اپنی جماعت مجلس احرار کو جس کے وہ صدر تھے رد قادیانیت کے لئے داؤ پر لگا دیا۔ مجلس احرار کے لیڈروں اور رضا کاروں نے مولانا حبیب الرحمان کی رہنمائی میں قادیانیت کا ڈٹ کر ایسا مقابلہ کیا کہ ان قادیانیوں کا وجود اسلامی معاشرہ میں ہٹ کر رہ گیا۔ اس مقابلہ میں تحریر و تقریر کے علاوہ احرار رضا کار خندہ پیشانی سے شہید بھی ہوئے لیکن مسئلہ ختم نبوت پر حرف نہ آنے دیا۔

علماء لدھیانہ کا خاندان خالص عربی النسل خاندان ہے۔ اس خاندان کے بزرگ اسلام کے مشہور سپہ سالار محمد بن

"قاسم کے ساتھ ہندوستان میں آئے۔ اس خاندان کو رشد و ہدایت۔ تقویٰ و طہارت۔ علم و عمل ورثہ میں ملا۔ جواب تک باقی ہے۔ کتب تاریخ اور خاندانی روایات سے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ خاندان نسلاً و نسباً فاروقی ہے۔ خاندان کے افراد میں اوصاف صدیقی اور فاروقی پائے جاتے ہیں حق بات کہنا ان کی شان ہے۔ مروت، رواداری، سچائی اس خاندان کا زیور ہے۔ اس لئے مشہور رہنما مولانا محمد علی جوہر نے مولانا حبیب الرحمان رح کے اوصاف۔ اخلاق و کردار اور جسمانی قد و قامت، جرأت و بہادری۔ سچائی اور حق گوئی کو دیکھ کر فرمایا۔

"مولانا آپ کو دیکھ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یاد آجاتے ہیں"۔

خاندان کے افراد سے جس قدر دینی فیض برصغیر میں ملت اسلامیہ کو پہنچا اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور آج اس خاندان کے افراد انڈو پاک میں ملت اسلامیہ کی خدمت اور اسلام کو پھیلانے کے لئے دن رات کوشاں ہیں جس سے ان کا مقصد صرف رضا الٰہی ہے تقسیم ہند کے بعد مشرقی پنجاب میں المیہ کے بعد مسلمانوں کی حیات جدیدہ کا بیڑا بھی اسی خاندان کے لائق ترین فرزندوں نے اٹھایا جو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان کے بیٹے ہیں۔ جن کے نام اس طرح ہیں۔ مولانا خلیل الرحمان جن کا قیام پھگواڑہ ضلع کپورتھلہ میں ہے۔ اور بڑے صاحبزادے ہیں۔ مولانا سعید الرحمان جن کا قیام لدھیانہ میں ہے۔ اور جامع مسجد دہلی کے خطیب و امام ہیں۔ مولانا محمد احمد رحمانی جن کا قیام بھی حبیب روڈ لدھیانہ رحمان منزل میں ہے۔ پنجاب میں افتاء کا قلمدان ان کے ہاتھ میں ہے۔ اور بطور مفتی پنجاب کے عوام اور گورنمنٹ کے حلقوں میں نہایت عزت اور احترام کی نظر سے دیکھے اور جانے پہچانے جاتے ہیں۔

گزشتہ تیس سال میں ان تینوں حضرات نے اخلاص کے ساتھ اس علاقہ میں بے غرض اسلام اور ملت اسلامیہ کے لئے کوشش کی جس کا نتیجہ ہے کہ آج امرتسر سے لے کہ دہلی تک مساجد کھل گئیں۔ اور پورے پنجاب میں مسلمان بلا کسی خوف اور ہراس اپنی مذہبی رسومات اور تمام کام و تجارت میں مصروف کار نظر آتے ہیں۔ یہ ایک اہم کام تھا۔ جو کہ رئیس احرار حضرت مولانا حبیب الرحمان کے تینوں صاحب زادوں نے انجام دیا۔ اور برابر اس علاقہ میں قیام دین میں مصروف ہیں۔

میں بارگاہ رب العزت میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے خاندان میں علمی ولائت اور علم و عمل کو باقی رکھے اور خاندان کے اخلاف کو اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

رئیس الاحرار مرحوم

○ فرحت اور تسکین کیلئے ○ زیادہ ٹھنڈی ہوا کیلئے ○ مضبوطی اور پائیداری کیلئے
Yunas
FANS
یونس پنکھے
اعلیٰ کارگزاری
اور پائیداری میں بے مثال
بیرونی ممالک سے تربیت یافتہ ماہرین
کی زیر نگرانی تیار کیے جاتے ہیں
ٹیبل ، پیڈسٹل
سیلنگ اور ایگزاسٹ
مختلف خوبصورت ڈیزائنوں اور
دیدہ زیب خوشنما رنگوں میں دستیاب ہیں
یونس میٹل ورکس رجسٹرڈ
یونس کالونی جی ٹی روڈ۔ گجرات
تار کا پتہ : یونس فین
فون : ۴۸۲۳ ، ۴۸۲۴
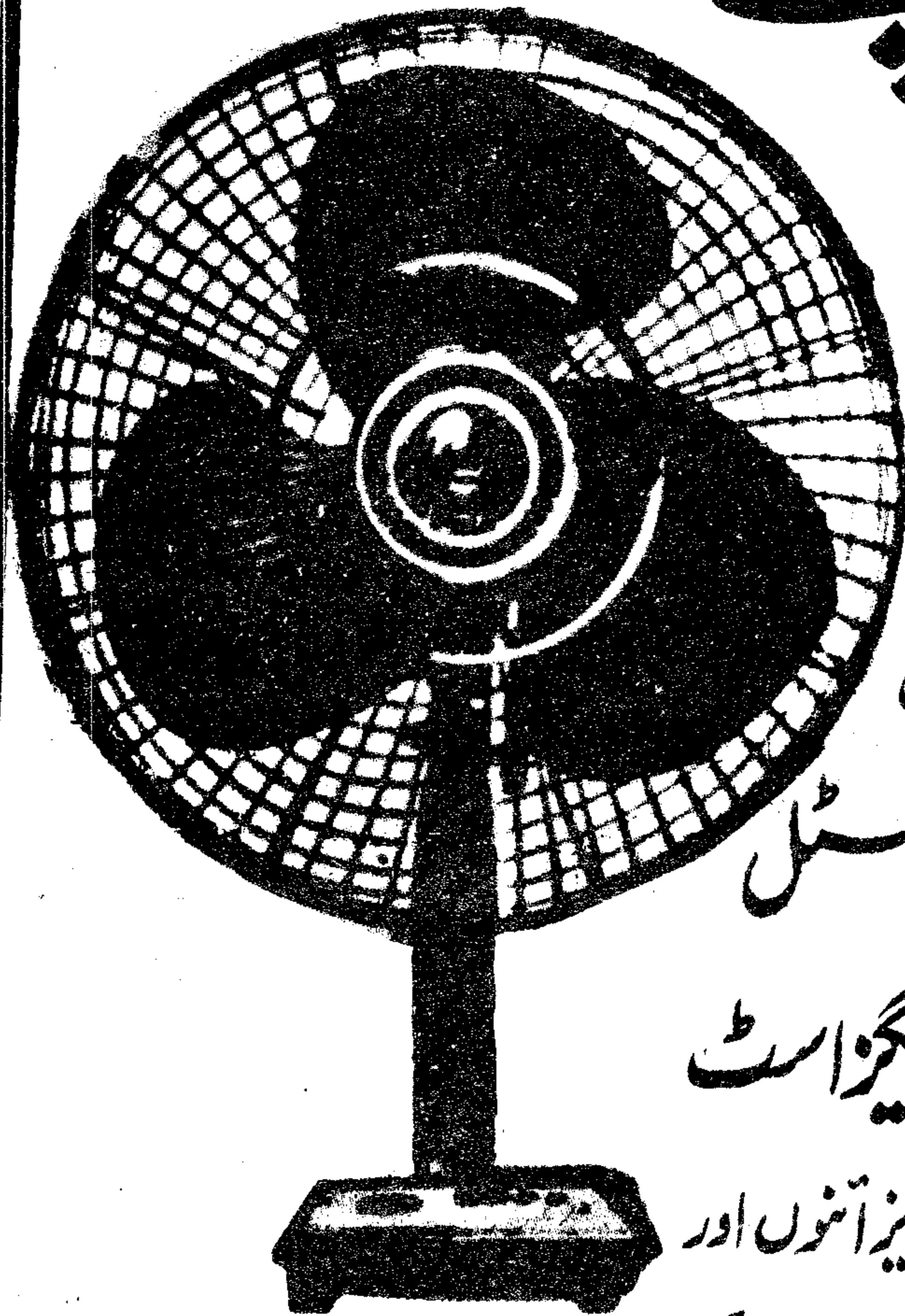
بدعات و محدثات رافعِ سنت ہیں

از افادات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ

جاننا چاہیئے کہ بعض بدعتیں جن کو بعض علماء و مشائخ نے "حسنہ" سمجھا ہے اگر اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی رافعِ سنت ہیں۔ مثلاً میت کے کفن میں پگڑی کو شامل کرنے کو بدعت حسنہ کہتے ہیں حالانکہ یہ بدعت رافعِ سنت ہے کیونکہ مرد کے کفن کے تین مسنونہ کپڑوں پر یہ زیادتی سنت (کے عمل) سے دور کر دیتی ہے اور اسی طرح بعض مشائخ نے پگڑی کے شملے کو بائیں ہاتھ کی جانب چھوڑنا اچھا جانا ہے۔ حالاں کہ اسے دونوں کندھوں کے درمیان (پشت پر) چھوڑنا سنت ہے لہٰذا صاف ظاہر ہوا کہ یہ بدعت بھی رافعِ سنت ہے اور اسی طرح یہ بات ہے کہ بعض علماء نے نماز کی نیت (کو زبان سے کرنا) مستحسن جانا ہے کہ قلبی ارادہ کے باوجود زبان سے بھی کہنی چاہیئے حالاں کہ یہ بات نہ کسی صحیح روایت نہ ہی ضعیف روایت سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ ہی حضرات اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرات تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم سے ثابت ہے کہ نیت زبان سے کی جائے۔ بلکہ جب وہ حضرات اقامت کہتے تھے تو تکبیر تحریمہ فرماتے تھے۔ پس زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اس بدعت کو حسنہ کہا ہے یہ بات فقیر کی سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ یہ بدعت رفعِ سنت کی بجائے خود رفعِ فرض بھی بن جاتی ہے کیونکہ اس تجویز پر اکثر آدمی زبان سے نیت کہنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور قلبی غفلت سے نہیں ڈرتے۔ پس اس ضمن میں نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض قلبی نیت بھی ہے جو متروک ہو جاتی ہے اور نماز کو فاسد کی طرف لے جاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس سب "مبتدعات و محدثات" (بدعتیں اور دین میں نئی پیدا کی ہوئی باتیں) اس طرح ہیں۔ پس یہ سنت پر زیادتی ہے اور زیادتی سنت کو منسوخ کرتی ہے۔ اور منسوخی سنت کو رفع کرتی ہے۔ پس آپ سنت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مضبوطی سے پکڑیں اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتدا پر اکتفا کریں پس یہ حضرات ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی اقتداء کرو گے تم ہدایت پاؤ گے۔

مگر "قیاس و اجتہاد" میں کسی قسم کی بدعت بالکل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ نصوص کے معنی کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور (دین میں) کسی زائد امر کو ثابت نہیں کرتے۔ پس اے آنکھوں والو! بصیرت حاصل کرو اور سلامتی ہو اس پر جو اس ہدایت کی پیروی کو لازم پکڑے۔

(از مکتوب ۱۸۶ - دفتر اول)

ملفوظات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

فقراور مسکینی کو دل وجان سے دوست رکھیں اور نامرادوں اور دردمندوں کے ساتھ صحبت رکھیں اور نیکوں اور درویشوں کو دل وجان سے عزیز رکھیں اوران کی مجلسوں میں رہا کریں۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ (الکھف آیت ۲۸)

ترجمہ :- اور تو ان لوگوں کی صحبت میں رہ جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ اسی کی رضامندی چاہتے ہیں اور تو اپنی آنکھوں کو ان سے نہ ہٹا کہ دنیا کی زندگی کی زینت تلاش کرنے لگ جائے۔

حتی الامکان طالبوں کی خدمت خود کریں اور حتی المقدور دوسروں پر کام نہ ڈالیں۔ اور اہل غفلت اور مخالف طریق کے ساتھ صحبت نہ رکھیں۔

بیوی بچوں کے ساتھ دستور کے مطابق اچھا سلوک کریں مگر ان کے ساتھ اس قدر منہمک نہ ہو جائیں کہ یہ بات اللہ تعالیٰ سے اعراض کا موجب نہ بن جائے اور اس وعید کا مستحق نہ ہو جائے۔

إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ؕ[1] (الانشقاق۔ آیت ۱۳)

ترجمہ۔ بیشک وہ اپنے اہل وعیال میں بڑا خوش وخرم تھا۔ (از مکتوب ۲۳۵۔ دفتر اول)

آدمی کو بے مقصد پیدا نہیں کیا گیا ہے اور اسے آزاد نہیں چھوڑا گیا تا کہ جو دل میں آئے وہ کرے، اور ہوائے نفس اور خواہش طبیعت کے مطابق زندگی گزارے۔ بلکہ اسے شرعی اوامر و نواہی کا مکلف بنایا گیا ہے۔ اور قسم قسم کی تکلیفیں اسے دی گئی ہیں۔ اس لئے اسے اس کے سوا چارہ نہیں کہ ان احکام کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے۔ اور ہوائے نفس وطبیعت جو ان احکام کے مخالف ہو اسے ترک کر دے اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے عذاب و سختی کا مستحق ہوگا۔ اور عذاب و عقوبت میں گرفتار ہوگا۔

لہٰذا وہ لوگ خوش قسمت ہیں جنہوں نے کمر ہمت مولیٰ جل شانہٗ کی خدمت (احکام کی بجا آوری) کے لئے باندھ لی ہے اور

---

[1] یعنی دنیا میں آخرت سے بے فکر تھا۔ رات دن اپنے بال بچوں کے ساتھ خوش تھا وہ صرف دنیاوی سرور وخوشی کا طالب تھا خود بھی غلط راہ پر چلتا رہا اور بال بچوں کو بھی اسی راہ پر ڈال دیا۔ ان اعمال کی پاداش میں قیامت کے دن وہ دوزخ میں جائے گا۔

اور ساری ہمت اس کی رضا والے کاموں میں صرف کرتے ہیں۔ (از مکتوب ۱۲۔ دفتر دوم)

ہر عمل کرتے وقت نیت صحیح رکھیں۔ " ۱۱۰ "

گفتگو میں کم گوئی کو ملحوظ رکھیں۔ "

زیادہ سونا اور زیادہ ہنسنا نہ چاہئے۔ "

لوگوں کے عیبوں پر نظر نہ ڈالیں۔ اپنے عیبوں کو ہمیشہ دیکھتے رہیں۔ "

اپنے آپ کو کسی مسلمان سے بڑا نہ سمجھیں بلکہ دوسروں کو اپنے سے بہتر جانیں۔ "

کسی کی غیبت نہ کریں۔ "

امر معروف اور نہی منکر کو اپنا شیوہ بنائیں۔ "

مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے پر حریص رہیں۔ "

سب احوال میں سنت کو محکم پکڑیں۔ "

دنیاوی کام بقدر ضرورت کریں۔ باقی وقت عبادات و اذکار میں صرف کریں۔ (از مکتوب ۱۲۸۔ دفتر دوم)

علوم دینیہ کا شغل رکھنا عبادتوں میں سے بہت بڑی عبادت ہے۔ (از مکتوب ۱۶۳۔ دفتر سوم)

خطرات کے ہجوم سے دل تنگ نہ ہوں اپنے (دینی) کام میں لگے رہیں اور استغفار زیادہ کریں۔ " ۲۰۹ "

غرور و تکبر سے دور رہیں۔ " " "

۔ نماز میں جو مومن کی معراج ہے دنیا سے ٹوٹنا اور آخرت سے جڑنا ہے۔ " ۲۵۵ "

سیرت سازی اور اخلاقی اصلاح کے بغیر کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہمارا یقین ہے کہ جب تک طبیعتوں میں حرص و ہوس کی آگ سلگ رہی ہے۔ دولت کا بھوت سوار ہے۔ انسان صرف روپیہ پیدا کرنے اور اس سے عیش کرنے ہی کو زندگی کا مقصد سمجھتا ہے۔ اس وقت تک کوئی نقشہ اور کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جن ملکوں میں یہ منصوبے پورے طور پر کامیاب ہو چکے ہیں اور وہ ملک عرصہ ہوا ان منزلوں کو طے کر چکے ہیں کیا ان کو حقیقی امن و اطمینان حاصل ہے؟ کیا وہاں جرائم نہیں ہوتے؟ جرائم میں تو وہ ہمارے ملک سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ وہاں دن دہاڑے ڈاکے پڑتے ہیں۔ بڑے بڑے دولت مندوں اور کارخانہ داروں کو راستہ چلتے اڑا لیا جاتا ہے۔ اور پھر ان کے عزیزوں کو ڈرا دھمکا کر بڑی بڑی رقمیں وصول کی جاتی ہیں۔ آج ان ملکوں کا اخلاقی زوال اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ ان کو اپنی ہستی قائم رکھنا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ ایک قوم پرستی اور وطنیت کا شور ہے جو ان کو سنبھالے ہوئے ہے۔ پھر بھی ان کا زوال کچھ دور نہیں۔ اور اقبال کا یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں ؎

خود بخود گرنے کو ہے پکے ہوئے پھل کی طرح
دیکھئے گرتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ

مولانا سید ابوالحسن ندوی تعمیر انسانیت صہ ۳۵

شفیق فاروقی

۲۹ مارچ — حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ بخیر و عافیت دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریبات سے مراجعت فرما ہوئے۔ صد سالہ اجلاس کے علاوہ آپ نے دہلی جاتے ہوئے نانوتہ، گنگوہ، تھانہ بھون میں اکابر کے مزارات پر حاضری دی۔ دہلی میں استقبالیہ تقریبات میں شریک ہوئے اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ان کے اولوالعزم صاحبزادگان اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزارات پر بھی فاتحہ خوانی کی بستی نظام الدین کے تبلیغی مرکز میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اور دیگر اکابر سے بھی ملاقات فرمائی۔ اور وہاں امیر التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی مرقد مبارک پر بھی فاتحہ پڑھی۔ آپ دیوبند سے ۲۲ مارچ کی شام کو حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ کی معیت میں دہلی پہنچے تھے۔ یہاں ۲۶ مارچ کی شام تک جمعیۃ العلماء ہند کے مرکزی دفتر میں حضرت مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہ کے ہاں قیام فرمایا۔ اس اثناء میں آپ ۲۵ مارچ کی شام کو جامع مسجد دہلی تشریف لے گئے وہاں نماز مغرب ادا کرنے سے قبل امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے مزار پر بھی تشریف لے گئے۔ ۲۸ مارچ رات کو فرنٹیر میل سے مراجعت فرمائے وطن ہوئے۔

اس سفر میں دارالعلوم حقانیہ سے آپ کے خدام میں سے دو صاحبزادگان مولانا سمیع الحق صاحب مدیر الحق ان کے دو بیٹے حامد الحق، راشد الحق اور مولانا انوار الحق صاحب مولانا سلطان محمود صاحب ناظم دفتر اہتمام دارالعلوم حقانیہ جناب محمد زمان صاحب اور احقر شفیق فاروقی آپ کے ہمراہ رہے۔ دارالعلوم حقانیہ کے دیگر فضلاء اور دینی متعلقین اس کے علاوہ تھے۔ دارالعلوم حقانیہ سے روانگی پر دارالعلوم کے طلبہ نے نہایت عقیدت اور گرمجوشی سے آپ کو رخصت کیا اور واپسی پر خیر مقدم کیا۔ اس سفر کی پوری تفصیلات انشاء اللہ آئندہ شائع ہونگی۔

دہلی کے تبلیغی مرکز سے حضرت مولانا عبیداللہ صاحب مدظلہ اور پاکستان کے امیر التبلیغ مولانا عبدالوہابؒ معہ رفقاء و علماء دارالعلوم تشریف لائے۔ دارالحدیث میں طلبہ سے خطاب فرمایا اور اس کے بعد گھر جاکر حضرت

شیخ الحدیث مدظلہ کی ملاقات کی اور کچھ دیر ان کے ساتھ رہے۔

- دارالعلوم کے ششماہی امتحانات جمادی الثانی میں ہفتہ بھر جاری رہے۔
- مولانا سمیع الحق صاحب مدیر الحق جو حضرت شیخ الحدیث کی واپسی کے بعد بھارت میں ٹھہر گئے تھے۔ دارالعلوم پہنچ گئے آپ نے دیوبند، دہلی کے علاوہ نانوتہ، گنگوہ، تھانہ بھون، آگرہ، فتح پور سیکری، متھرا، علی گڑھ امروہہ، سرہند شریف لدھیانہ کا سفر کیا۔ ۲۶ اپریل کو دہلی میں آپ نے علامہ رحمت اللہ کیرانوی کی یاد میں صد سالہ تقریبات میں بھی شمولیت کی۔
- ماہ رواں میں مولانا سمیع الحق صاحب اور مولانا محمد فرید صاحب مدرس و مفتی دارالعلوم حقانیہ دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ کے اجلاس شوریٰ میں شریک ہوئے، علاقہ ہشتنگر کا یہ مرکزی ادارہ اس وقت مولانا گوہر شاہ صاحب فاضل حقانیہ کے اہتمام میں دینی خدمات میں مصروف ہے مولانا غلام محمد صاحب فاضل حقانیہ اور دیگر حضرات علماء ان کے رفیق کار ہیں اور ان نوجوان فضلاء کے تازہ ولولوں کے ساتھ مدرسہ نئے سرے سے سرگرم عمل ہوگیا ہے۔ ہر دو حضرات نے مدرسہ کا معائنہ کیا اور حضرات اراکین و مدرسین کے ساتھ مدرسہ کی ترقی کے سلسلہ میں تبادلۂ خیالات کیا۔
- حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی صحت سفر ہند کے دوران بھی بہتر رہی اور واپسی پر بھی باقاعدگی سے کچھ دن ترمذی شریف کا درس دیتے رہے۔ مگر ۲ مئی بروز جمعہ طبیعت اچانک خراب ہوگئی۔ گھر پر علاج معالجہ جاری رہا مگر ڈاکٹروں کے مشورہ پر ۱۸ مئی کو پشاور کے خیبر ہسپتال میں داخل کر دئے گئے جہاں آپ تادمِ تحریر مقیم ہیں اور جناب ڈاکٹر ناصر الدین اعظم صاحب اور دیگر حضرات علاج میں مصروف ہیں۔ طبیعت بحمدللہ اب قدرے رو بہ افاقہ ہے۔ قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔

فضلاء حقانیہ کی دستاربندی مدرسہ نجم المدارس کلاچی سرحد کے جنوبی اضلاع کا نہایت اہم اور مرکزی دینی مدرسہ ہے جو حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچی مدظلہ کے زیر اہتمام دینی خدمت میں مصروف ہے۔ یہاں موقوف علیہ دورہ تک کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اور اس کے بعد اکابر مدرسہ کے مشورہ و ہدایت پر طلباء کو دورۂ حدیث شریف کے لئے دارالعلوم حقانیہ بھیج دیا جاتا ہے۔ یہ طلبہ حسن اخلاق دینی تصلب میں ممتاز ہوتے ہیں اراکین مدرسہ کی خواہش تھی کہ اس سال سالانہ جلسہ کے موقع پر نجم المدارس سے فیض یافتہ ان فضلاء دارالعلوم حقانیہ کی دستاربندی حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے بابرکت ہاتھوں سے کرائی جائے۔ یہ پروگرام طے ہوچکا تھا۔ مگر حضرت کی علالت آڑے آئی چنانچہ مدرسہ نجم المدارس کی خواہش پر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دارالعلوم کے دو اکابر اساتذہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب مردانی مدظلہ حضرت مولانا محمد فرید صاحب مفتی مدظلہ کی معیت میں ۲۶ مئی کو بذریعہ طیارہ ڈیرہ اسمٰعیل خان تشریف لے گئے۔ وہاں ذمہ دار حضرات استقبال کے لئے موجود

تھے۔ ڈیرہ سے کلاچی بذریعہ کار جانا ہوا۔ کلاچی سے بارہ میل باہر فضلاء و طلباء اور علماء نے استقبال کیا۔ رات کو سالانہ جلسہ کے موقع پر ان اساتذہ دارالعلوم نے حضرت مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ کی معیت میں نجم المدارس سے وابستہ دارالعلوم حقانیہ کے چالیس ممتاز اور جید فضلاء دارالعلوم حقانیہ کی دستاربندی فرمائی یہ فضلاء ملک کے مختلف حصوں میں دین کی اہم خدمات انجام دیتے ہیں، مصروف ہیں۔ صبح نجم المدارس میں ان فضلاء کرام نے اپنے حقانی اساتذہ کو خصوصی استقبالیہ بھی دیا۔ حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب مدظلہ مولانا جلال الدین حقانی بھیرہ کی تقاریر کے بعد ہر سہ اساتذہ نے فضلاء سے خطاب فرمایا۔ اس استقبالی تقریب میں ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے فضلاء دارالعلوم حقانیہ کی تنظیم بھی قائم ہوئی۔

۲۷ مئی کی شام کو ہر سہ حضرات ۴ بجے کے جہاز سے واپس ہوئے نجم المدارس کے اکابر اساتذہ فضلاء دارالعلوم حقانیہ کثیر تعداد میں چالیس میل دور اڈہ تک الوداع کیلئے آئے ہوئے تھے۔ مدرسہ نجم المدارس کا یہ اجلاس اتنی بڑی تعداد کے فضلاء حقانیہ کی دستاربندی علماء اور عوام کی شمولیت اور افادیت کے لحاظ سے یادگار رہے گا۔ ان تمام انتظامات میں حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے قابل فرزند حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب فاضل حقانیہ پیش پیش رہے۔

۵ مئی — سعودی عرب کے مجمع البحوث و دارالافتاء والدعوت والارشاد کی طرف سے ایک معزز وفد نے دارالعلوم حقانیہ کا معائنہ کیا۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے وفد کو تمام علمی و تعلیمی شعبے دکھائے۔ الحق اور مؤتمر المصنفین کا کل سیٹ پیش کیا گیا۔ وفد نے طلبہ دورۂ حدیث کے علمی مشاغل اور امالی حدیث بھی ملاحظہ کئے شعبۂ تعلیم القرآن کا بھی معائنہ کیا اور نہایت متاثر ہو کر محبت و عقیدت کا اظہار کیا۔ جاتے وقت وفد نے مطبوعات کے علاوہ شیخ الحرم شیخ عبداللہ الخیاط کی آواز میں مکمل قرآن کریم کا ریکارڈ شدہ (کیسٹ) بھی پیش فرمایا جس کا پورا حلقہ دارالعلوم بے حد ممنون ہے۔

۷ مئی — مولانا سمیع الحق نے وزارت خارجہ پاکستان کی دعوت پر اسلامی وزراء خارجہ کانفرنس اسلام آباد کی اختتامی نشست میں شمولیت کی۔

تبصرۂ کتب

ادارہ

حیاتِ فاروقِ اعظمؓ مصنف:۔ امام ابوالفرج ابن جوزیؒ۔ ترجمہ و تعلیق جناب شاہ حسن عطا صاحب۔ صفحات ۲۴۸۔ قیمت چالیس روپے۔ ناشر:۔ قاضی حمید الدین ناگوری اکیڈمی ۱۲۳۰/۹ دستگیر فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸۔

امام عادل خلیفۂ راشد مرادِ رسولؐ سیدنا عمر بن الخطاب جیسی آتشین ولولہ انگیز، عبقری، جامع، قوی الایمان شخصیت جیسی کوئی شخصیت انبیاء کرام کو چھوڑ کر ادیان و ملل کی پوری عالمی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ عمرؓ اس وقت بھی اسلام کی ایک ضرورت تھے۔ اور جب تک اسلام کی شوکت و سطوت عدل و انصاف کی بالادستی اور خلافتِ رشد و ہدایت کے لئے کوئی قدم اٹھایا جائے گا، کوئی منصوبہ بنایا جائے گا۔ حضرت عمرؓ کی سیرت و کردار ہی سے رہنمائی مل سکے گی۔ فاروقی ولولہ انگیز قیادت کی آج ملتِ مسلمہ کو جتنی ضرورت ہے کبھی اتنی نہ تھی مسلمان مصنفین و مؤرخین نے ہر دور میں اس پاکیزہ اور نابغۂ عصر شخصیت پر روشنی ڈالی تقریباً نو سو سال پہلے امام ابوالفرج ابن جوزیؒ نے جن کا مقام ملتِ مسلمہ کے مجددین میں بے حد نمایاں ہے۔ سیرتِ عمرؓ کے نام سے تقریباً اسی ابواب پر مشتمل سیرت لکھی یہ کتاب اتنی اہم مگر نایاب تھی کہ بیسویں صدی میں حضرت عمرؓ کے سب سے عظیم سوانح نگار علامہ شبلی نے اس کا قلمی نسخہ دیکھنے کے لئے استنبول کا سفر کیا۔ بعد میں بحمد اللہ چھپ گئی مگر عربی سے اس کا وقیع مؤثر عالمانہ اور سلیس ترجمہ، تعلیق و تحقیق کی سعادت اللہ تعالیٰ نے مشہور صاحب علم و فضل شاہ حسن عطا کو بخشی جنہوں نے موجودہ شکل میں اسے اردو کا حسین جامہ پہنایا۔ رہے کتاب کے مندرجات اور تحقیقی ثقاہت تو اس کے لئے امام ابن جوزیؒ کا نام ہی کافی ہے۔

خاتم الانبیاء کے معجزات از جناب مولانا محمد اسحاق الکشمیری المدنی۔ ناشر: مکتبہ دانشور۔ ادبی مارکیٹ چوک انارکلی لاہور۔ صفحات ۳۰۴۔ قیمت -/۲۰ روپے۔

حضور اقدسؐ کے معجزات تاریخ و سیرت کا ایک اہم مستقل موضوع۔ ہر دور میں اس پر اکابر علم و فضل نے خامہ فرسائی کی ہے۔ ہمارے عزیز دوست فاضل محترم جناب مولانا محمد اسحاق صاحب کشمیری حال مقیم دبئی متحدہ امارات علمی مشاغل اور تحریری و تصنیفی کاموں کا صاف ستھرا ذوق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دینی کاموں کے درد اور جوش و ولولہ سے نوازا ہے حضور اقدسؐ کے معجزات پر انہوں نے اردو زبان میں ایک ایسا مجموعہ کتاب و سنت اور دیگر مستند کتابوں کو سامنے رکھ کر مرتب کیا کہ جس سے نہ صرف عوام بلکہ اہل علم بھی استفادہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کی خدمات کو انکی آئندہ عظیم علمی خدمات کا پیش خیمہ بنا دے۔
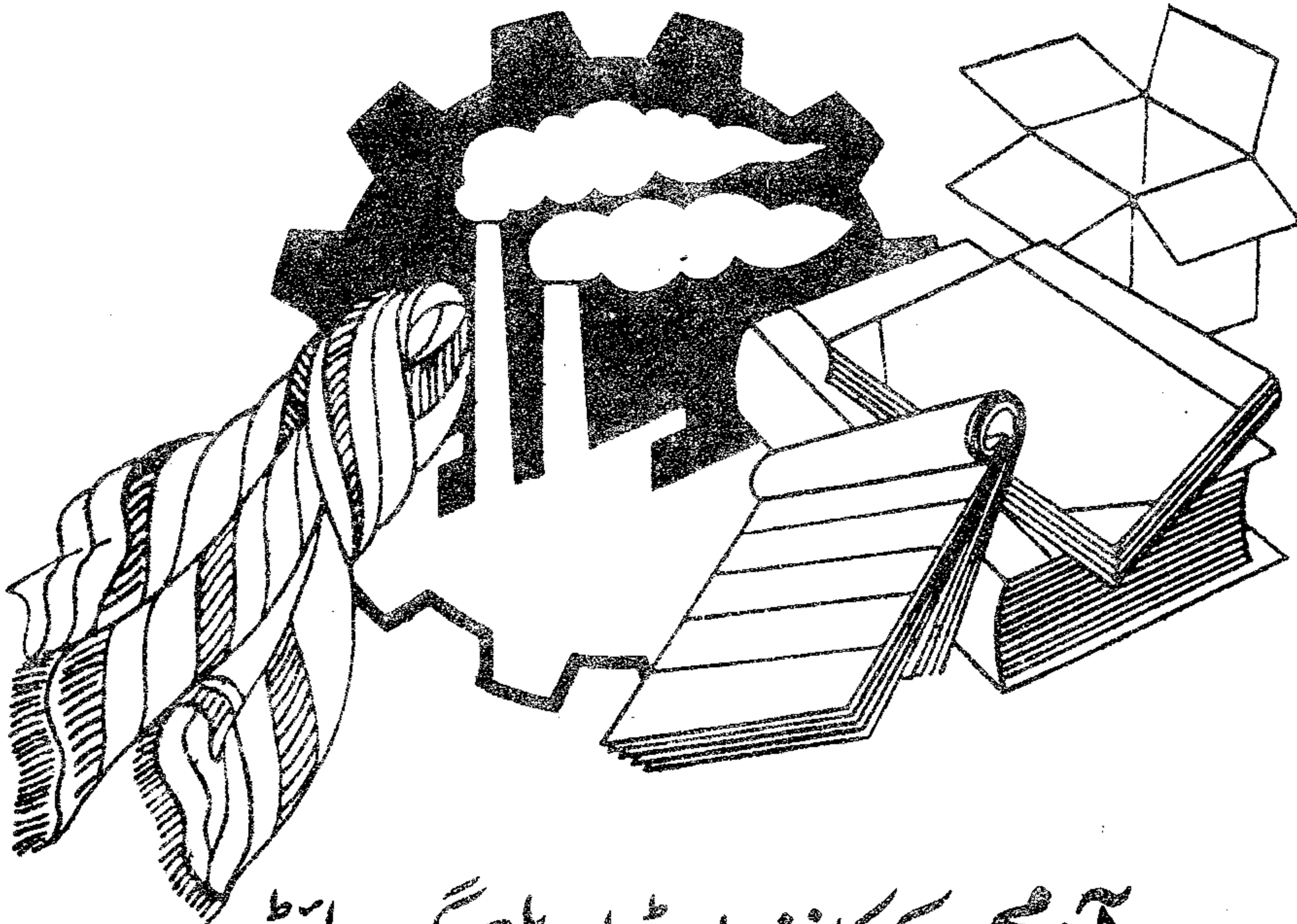
پاکستانی بنیئے
پاکستانی مصنوعات خریدیئے
سوات سرامکس کی فخریہ پیشکش
۱۔ ۶ پیس یورپین سیٹ ۶۳ سی ایم واش بیسن کے ساتھ
۲۔ ۶ پیس یورپین سیٹ ۵۶ سی ایم واش بیسن درمیانے سائز کا
۳۔ ۶ پیس ایشین سیٹ بمع پائیدان
۴۔ ۶ پیس دیسی سیٹ ۵۹ سی ایم کموڈ الگ پائیدان
۵۔ ۶ پیس دیسی سیٹ ۵۲ سی ایم کموڈ الگ پائیدان
ہماری مصنوعات تمام بڑے شہروں میں مقررکردہ نرخوں پر دستیاب ہیں اور
ان کی تقسیم کا دائرہ کار مزید چھوٹے شہروں اور قصبوں تک بڑھایا جا رہا ہے۔
ہماری مصنوعات کے معیار اور قیمتوں کا کسی بھی درآمدشدہ مصنوعات سے موازنہ کیجئے۔
سوات سرامکس کو آپ یکساں معیار، کفایت اور باقاعدہ سپلائی کی وجہ سے ہمیشہ بہتر پائینگے
تفصیلات کے لئے ہمارے کسی بھی سیلز آفس سے رجوع کیجئے:۔
کراچی: ۴۲-جی، بلاک ۶، پی ای سی ایچ ایس، فون:۔ ۴۳۷۴۲۷
راولپنڈی:۔ ۵۰/اے- بارسے اسٹریٹ لین نمبر ۴، فون:۔ ۶۶۷۳۸
لاہور:۔ ۱۔ بی۔ ۴۱۔ ۱ ایمپریس روڈ۔ فون:۔ ۳۱۱۰۴۱
فیکٹری:۔ شیدو نوشہرہ، فون:۔ ۵۲۷
SCC
STATE ENTERPRISE
سوات سرامکس کمپنی لمیٹڈ
شیدو نوشہرہ
prestige
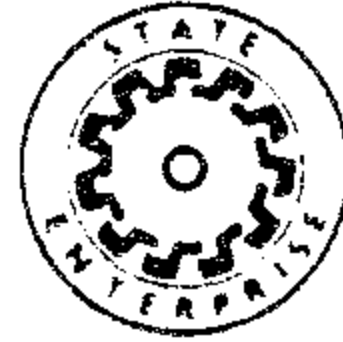
پاکستان بحریہ میں
جونیئر کمیشنڈ آفیسر خطیبوں کی ضرورت

پاکستان بحریہ میں جونیئر کمیشنڈ آفیسر خطیبوں کی چند آسامیاں خالی ہیں مطلوبہ قابلیت کے مالک امیدواروں سے درخواستیں مطلوب ہیں شرائط ملازمت حسب ذیل ہیں :

شہریت : امیدوار کو پاکستانی قومیت کا مسلم مرد ہونا چاہئے۔

تعلیمی قابلیت : (ا) حکومتِ پاکستان کے منظور شدہ کسی دینی مدرسہ سے درسِ نظامی میں فارغ یا فاضل کی سند۔

(ب) پاکستان کے کسی ایجوکیشن بورڈ سے میٹرک یا سیکنڈری اسکول سرٹیفکیٹ (سیکنڈ ڈویژن) کا حامل ہو۔

عمر : یکم اگست ۱۹۸۰ء کو ۱۸ سے ۳۶ سال۔ اس میں حکومت کی طرف سے ایک دفعہ دی گئی ایک سال کی رعایت شامل ہے۔

تنخواہ کا اسکیل : تنخواہ کا اسکیل: ۵۰۰ - ۲۰ - ۷۰۰ ماہانہ مع مروجہ الاؤنس کے۔

منتخب امیدواروں کو نائب خطیب کا عہدہ دیا جائے گا جو پاکستان بحریہ کے چیف پیٹی آفیسر کے مساوی ہوگا۔ اور ان کو مروجہ قواعد وضوابط کے تحت وہ تمام سہولتیں، الاؤنس، مفت رہائش، طبی امداد، پنشن اور دیگر مراعات جو ایک چیف پیٹی آفیسر کو حاصل ہیں، میسر ہوں گی۔

وردی : نائب خطیب وہ وردی نہیں پہنیں گے جو پاکستان بحریہ کے چیف پیٹی افسران پہنتے ہیں۔ بلکہ ان کی وردی ایک مخصوص لباس ہوگا جو پاک بحریہ فراہم کرے گی۔

نااہلیت : مندرجہ ذیل امیدوار نااہل تصور ہوں گے۔

ا۔ جنہیں مسلح افواج کے سلیکشن بورڈ (آئی ایس ایس بی) نے دو دفعہ مسترد کر دیا ہو۔

ب۔ جو مسلح افواج کے کسی بھی تربیتی ادارے سے خارج کر دیئے گئے یا خود مستعفی ہو گئے ہوں۔

ج۔ جو کسی بھی سرکاری ملازمت سے برطرف یا ہٹا دیئے گئے ہوں۔

د۔ جو کسی عدالت سے کسی اخلاقی جرم کی پاداش میں سزا پا چکے ہوں۔

طریقہ انتخاب : امیدوار کو ابتدائی طبی معائنے کے انتخاب کے لئے پاک بحریہ کے سلیکشن بورڈ کے سامنے کسی خاص مقام پر پیش ہونا ہوگا۔ مقام کا تعین نیول ہیڈ کوارٹرز بعد میں کرے گا، جس کی پیشگی اطلاع امیدوار کو دی جائے گی۔ وہاں پہنچنے کے لئے کسی قسم کا رہائشی الاؤنس، سفر خرچ وغیرہ نہیں دیا جائے گا۔ حتمی انتخاب نیول ہیڈ کوارٹرز کرے گا۔

درخواست فارم یا مزید تفصیلات کے لئے مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک کو لکھئے یا ذاتی طور پر ملئے :

ا۔ نیول ہیڈ کوارٹرز۔ ڈائریکٹوریٹ آف ریکروٹمنٹ اسلام آباد۔

ب۔ نیول ریکروٹنگ آفس : پی این فلیٹ کلب۔ اقبال شہید روڈ۔ کراچی۔

ج۔ نیول ریکروٹنگ آفس : ڈی - ۸۵ - سٹیلائٹ ٹاؤن۔ راولپنڈی۔

د۔ نیول ریکروٹنگ آفس : مکان نمبر ۷ شالامار روڈ، لاہور کینٹ۔

نیول ہیڈ کوارٹرز (ڈائریکٹوریٹ آف ریکروٹمنٹ) اسلام آباد میں درخواستیں وصول کرنے کی آخری تاریخ ۲۲ مئی ۱۹۸۰ء ہے۔

ADGROUP

تندرستی کا راز
دانتوں کی صفائی میں ہے
صحت مند مسوڑوں اور
مضبوط دانتوں کے لئے
فارہنس
ٹوتھ پیسٹ استعمال کیجئے
Forhans
FOR
THE GUMS
انٹرنیشنل لیباریٹریز لمیٹڈ